
ف ۔ 12-3
معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
تصنیف:۔
سرور قادری (ایم اے اسلامک لاء)
327
مصطفیٰ اکیڈمی / بیکو جامع مسجد بادامی باغ لاہور

123

جس کے پرتو سے منور رہی تیری شب دوش
پھر بھی ہو سکتا ہے روشن وہ چراغِ خاموش

(اقبال)

معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف

مفتی محمد ابوسعید غلام سرور قادری متخصص فقہ و قانون اسلامی (ایم اے اسلامک لاء)
استاذ الحدیث والادب العربی جامعہ نظامیہ رضویہ
و خطیب پیکو جامع مسجد، بادامی باغ لاہور

ناشر

مصطفیٰ اکیڈمی، پیکو جامع مسجد، بادامی باغ لاہور

الاهداء

اپنے خصوصی کرم فرماؤں!

- الحاج قبلہ ملک بشیر احمد صاحب ڈائریکٹر انٹی کرپشن صوبہ پنجاب
- الحاج ملک محمد رمضان صاحب للو (اوچ شریف)
- " " عبد المالک صاحب "
- میاں محمد اکبر صاحب مینجر فرم حاجی محمد و خوشی محمد غلہ منڈی، ہارون آباد
- حضرت مولانا پیر غلام درویش شاہ صاحب ہاشمی قادر پوری (تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خاں)
- حضرت قبلہ الحاج نذیر احمد صاحب نقشبندی، شاد باغ، لاہور

کے حضور، جن کی علم دوستی و علمی قدر دانی کا راقم شکر گزار رہے

محمد ابو سعید قادری

نام کتاب:	معاشیاتِ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مصنف:	مفتی محمد ابو سعید غلام سرور قادری
ناشر:	مصطفےٰ اکیڈمی بیکو جامع مسجد بادامی باغ، لاہور
کتابت:	محمد عاشق حسین ہاشمی - لاہور
سنِ اشاعت:	۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء
ھدیہ:	۱۰/- روپے

فہرست مضامین

انتساب

محترم ومکرم جناب سید مشتاق احمد صاحب
کرنل بخاری مدت حیاتہم!
جنرل مینجر پیکو بادامی باغ
جناب کیپٹن الحاج عطاء اللہ خاں مینجر ایڈمنسٹریشن
جناب معین الدین صاحب اسسٹنٹ مینجر
اور ان کے رفقاء کرام [illegible] و جمیع ورکرز حضرات!

کے نام

جو نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے چشم براہ ہیں
جن کی علم و اسلام دوستی نے راقم کو یہ حوصلہ بخشا
جن کی مساعی جمیلہ سے پیکو جامع مسجد معرضِ وجود میں آئی ع
گر قبول افتد زہے عز و شرف

طالبِ دعا

مفتی محمد ابوسعید غلام سرور قادری
(ایم۔ اے اسلامک لا)
خطیب جامع مسجد پیکو۔ بادامی باغ۔ لاہور

اظہارِ خیال

استاذ الارشاد، رئیس الخطابۃ، مفکرِ اسلام حضرت علامہ
مولانا سید **عبد القادر شاہ** صاحب گیلانی ایم اے،
ایل ایل بی و فاضل مکہ یونیورسٹی، راولپنڈی

باسمہٖ تعالیٰ

ناچیز نے کتاب "معاشیاتِ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کے جستہ جستہ عنوانات اور زیرِ بحث مسائل کا مطالعہ کیا۔ قلتِ وقت کے پیشِ نظر بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت تو حاصل نہ ہو سکی، تاہم جس جس مسئلہ پر غور کیا، اس میں حضرت مصنف کو دریائے تحقیق کا موجزن پایا۔ حضرت مفتی صاحب قدیم و جدید علوم سے بہ تمام و کمال خبر رکھتے ہیں۔ آپ جہاں دینی علوم میں ایک استاذ الحدیث و استاذ الادب العربی اور ایک مفتی اسلام کا مقام رکھتے ہیں، وہاں معاشی و اقتصادی علوم میں بھی ایک بلند پایہ مفکر اور جید محقق کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ زیرِ مطالعہ کتاب کی بے بہا تحقیقات اس حقیقت کی دلیل وافی ہیں۔ معاشیات جیسے خشک مضمون کو حضرت مصنف نے اپنے طرزِ نگارش اور حسنِ ادا سے بڑا رنگین و حسین اور دلچسپ اور دلربا بنا دیا ہے۔ دورِ حاضر میں جس قدر کتب اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ انہیں اس کتاب کا امتیاز اس کی حسین زبان، فقہی تحقیق اور شرعی موقف و شرعی اصولوں کے میزان پر دورِ حاضر کی معاشیات کو پرکھنا ہے۔

اللہ کریم حضرت مصنف کو توفیق رفیق فرمائے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کی دینی خدمات اور بلند پایہ تحقیقات سے متلاشیانِ علم و آگہی کو فیض یاب فرماتے رہیں۔ آمین فقط

عاجز سید عبد القادر گیلانی ایم اے ایل ایل بی فاضل
مکہ یونیورسٹی خطیب راولپنڈی چھاؤنی

تقدیم

مسلمان بھائیو! سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے جورِ بہیمانہ کے زخم خوردہ دوستو! پُرفریب نعروں کے پیچھے مت جاؤ۔ آپ نے کبھی سوچا کہ سونے کے چمچوں سے کھانے، ہزاروں روپوں کی شراب نوشِ جاں کرنے اور شیش محلوں میں استراحت و آرام سے زندگی گزارنے والے، آپ سے ہمدردی کا نعرہ لگانے میں مخلص ہوسکتے ہیں ؎

قدرِ انسانیت وہ کیا جانیں
جو کتوں سے پیار کرتے ہیں

کیا یہ حقیقت بھی محلِ شک ہوسکتی ہے کہ آپ کے دکھوں کا علاج کارل مارکس اور لینن کے نظریات نہیں۔ کتابِ الٰہی اور سنّتِ سیدالمرسلین ہے۔ آپ کے زخموں کا مرہم ماسکو پیکنگ اور واشنگٹن میں نہیں۔ گنبدِ خضرا کے سایۂ رحمت میں ہے۔ آپ کی غربت و افلاس اور فاقہ کی دوا دشمنانِ اسلام کے ساختہ کیپیٹل ازم، سوشل ازم اور کمیونزم نہیں، خالقِ حقیقی کا دیا ہوا نظام "نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔

اور کیا یہ حقیقتِ مسلمہ نہیں کہ یہ نظام ہمہ گیر بھی ہے اور فطری بھی جو ہر دَور میں ہر انسان کے لیے مکمّل ضابطۂ حیات ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے دل کی کہیے کہ جب یہ حقیقت شک و شبہ سے بالا اور مسلّمہ ہے، تو مغرب کی تہذیب اور دشمنانِ اسلام کے بین الاقوامی

وسیع پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات سے ہمارے دُور ہونے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اگر ہم میں عقل و شعور کے نام کی کوئی چیز موجود ہے، تو ہمیں اس حقیقت کا اعتراف و یقین کرنا پڑے گا کہ یہ جو ہم اقوامِ عالم میں اپنا مقامِ جہانبانی و جہانگیری کھو کر مسلسل آلام و مصائب سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کر کے یورپ کے باطل اور بیہودہ نظریۂ حیات کے تابع ہو چکے ہیں ؎

یُورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو !!
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

نظامِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ

آیئے: نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیجیے کہ آپکو از خود محسوس ہوتا چلا جائے گا کہ نظامِ مصطفےٰ کا شفقت بھرا ہاتھ آپ کی مشکلات و مصائب کی نبض کی رفتار پر پوری طرح حاوی ہے۔

جب نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادلانہ طرزِ عمل اور مساواتِ محمدی کا منصفانہ طور و طریقہ جاری و نافذ ہوگا، تو ہمارا چمنِ حیات جو مطلق العنان آمروں کی ذاتی اغراض اور ہوس پرستی سے پژمردہ ہو چکا ہے، کھل اٹھے اور پُربہار ہو جائے گا۔

ظلم و ستم اور افلاس و فاقہ کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بلبلا اُٹھنے والو! نظامِ مصطفےٰ کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھامو۔ واعتصموا بحبل اللہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی پناہ میں آ جاؤ، جہاں آپ روشنی ہی روشنی دیکھیں گے۔

انصاف کی روشنی، تحفظِ حقوقِ انسانی کی روشنی، امن واخوت، باہمی انس و الفت اور محمود وایاز کو ایک صف میں لاکر کھڑا کرنے والی مساواتِ حقیقی کی روشنی

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

پیارے بھائیو! حالاتِ حاضرہ کا مطالعہ تو کرو، آنکھیں کھول کر تو دیکھو روس میں انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ محنت کشوں، کسانوں اور کاشتکاروں سے کولہو کے بیل کی طرح سلوک کیا جا رہا ہے۔ تنقید واحتجاج کی زبان پر مُہرِ سکوت لگا دی گئی ہے، وہاں کے باسیوں کا حال تو معلوم کرو کہ ڈکٹیٹروں کی ڈکٹیٹر شپ نے انہیں دل کی بات کہنے کے فطری حق سے محروم کر دیا ہے۔ وہ انسان نما جانور بنا دیے گئے ہیں۔ دُور کیوں جاتے ہیں نام نہاد اسلامی ملک عراق کا حال دیکھیے جہاں سوشلزم اور کمیونزم کا منحوس سایہ پڑا ہے، جس سے وہاں کے باشندوں کی حالتِ زار ہمارے لیے تازیانۂ عبرت سے کم نہیں ہے۔ کیا دیکھا نہیں سُنا نہیں؟ خدارا! آیئے اپنے خالقِ حقیقی کو پہچانیے۔ اس کے دیے ہوئے ضابطۂ حیات یعنی نظامِ مصطفےٰ کو اپنا کر ظاہری ومعنوی جہانگیری کا لطف اُٹھایئے۔ اس نظام کو اپنائے بغیر ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی کبھی نہیں سدھر سکتی، البتہ اس کے برعکس بے دینوں کا پنجۂ استبداد اپنی ظالم گرفت میں لے کر ہمیں دَر دَر کا محتاج کر کے رکھ دے گا۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

کفر ملّتِ واحدہ۔ ایک حقیقتِ مسلمہ

آج بمطابق الکفر ملّة واحدة غیر مسلم اقوام

اندرونِ خانہ اسلام کے خلاف گٹھ جوڑ کر کے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف، نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے اور مٹانے کے درپے ہیں۔ اہلِ کفر کو نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ وسلم سے زبردست خطرہ ہے، وہ آپس میں مشورے کرتے اور کہتے ہیں ؎

اَلحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار اَلحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئین تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے
(اقبال)

سرزمینِ پاکستان میں غیر مسلم اقوام کے ایجنٹوں کا سوشلزم کا نعرہ لگانا اور نظامِ مصطفےٰ پر کھلی تنقید کرنا اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ روٹی کپڑے اور مکان کی پُرفریب اور مکارانہ صدا نظامِ مصطفےٰ کو روکنے کی ایک مکروہ کوشش ہے۔ رُوحِ سیّد الشہداء وادیٔ کربلا سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یزیدیت سراپا ظلم و ستم اور شرابی قیادت کا ساتھ دینے کی بجائے نور و صداقت کے حامل نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ میں تن من اور دھن کی بازی لگانے امامِ اعظم حضرت ابوحنیفہ و حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہم کی جرأت کا مظاہرہ کرنے والوں کا ساتھ دیجیے۔ ایکی خس گوشی میں خانقاہوں میں آرام سے بیٹھ جانا رہبانیت کے سوا کچھ نہیں جسے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لا رھبانیۃ فی الاسلام فرما کر ممنوع ٹھہرا دیا ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

تیرے دین و ادب سے آرہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری
اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقاہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خودنگری کا

اگر آپ نے حق و باطل کے اس معرکہ میں حق کا علانیہ ساتھ نہ دیا، تو پھر کہنے والے کہیں گے ؎

شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانندِ بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اسلام آزاد؟

مجاہدینِ اسلام! نام نہاد دانشور کہتے ہیں کہ جہاں اسلام کی عبادات پر عمل کرنے کی آزادی ہو اور حکومتِ وقت کی پابندی نہ ہو، وہاں اسلام آزاد ہے۔ اور وہ حکومت جائز و صحیح ہوتی ہے اور اس حکومت کی اطاعت ضروری اور اس کے خلاف حرفِ احتجاج زبان پر لانا ناروا ہے، مگر یہ غلط ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انگریزوں کے دور میں نماز و روزہ پر کوئی پابندی تھی کہ ایک علیحدہ مملکت کے حصول کی ضرورت محسوس ہوئی یا اب ہندوستان میں مسلمانوں پر نماز و روزہ کی کوئی پابندی عائد ہے؟ ہرگز نہیں درحقیقت اسلام کی آزادی اس کے آئین و قانون (قرآن و سنت) کی حکمرانی کا نام ہے جس خطۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، یعنی نظامِ مصطفےٰ و آئینِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راج نہیں، وہاں اسلام آزاد نہیں، بلکہ اسے شیطان کا ہی راج کہا جائے گا، اسے آزادی نہیں غلامی کہنا ہوگا ؎

مسلماں کو جو مسجد میں ہے سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ہے آزاد

لہ بہ تغییر یسیر

سیاست اور علماء

سیاست لوگوں کو ایسے راستہ کی نشان دہی کرنے کا نام ہے جس پر چلنے سے ان کی دُنیا و آخرت سنور جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ علماء کو سیاست سے کیا تعلق؟ یہ تو امامت و خطابت ہی کرتے رہیں۔ نظامِ حکومت میں کوئی دخل نہ دیں حکمران جانیں اور ان کا کام، علماء کو صرف عبادات کا شعبہ سنبھال لینا چاہیئے۔

ہماری رائے میں یہ شیطانی وسوسہ اور یزیدی خیال ہے۔ یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی یہی کہا تھا، مگر آپ نے وادی کربلا میں اپنی اور اپنے کنبے کی قربانی دے کر یہ ثابت کر دیا کہ نہ تو میرے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے دین و سیاست کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور نہ ہی میں ایسا کرنے کی اجازت دوں گا۔

جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو!!
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

صحیح بخاری میں ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام انہیں سیاست کی تعلیم دیا کرتے اور فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے مانند ہیں۔ اس حدیث میں لطیف اشارہ ہے کہ میری امت کے علماء پر اس بات [illegible] ہے کہ وہ میری امت کو سیاست کی تعلیم دیں [illegible] الحدیث، لیکن [illegible] قول و فعل میں کیسا نیت کی سیاست۔ حق کی سیاست [illegible] سیاست [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور [illegible] [illegible] جس کی ہیبت و عظمت سے [illegible] [illegible]

جس کے نورِ صداقت سے لاتجمل [illegible] [illegible]
جس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو [illegible] جس نے [illegible]

[illegible]

سرمایہ داروں سے

یہ امر تو قطعی ہے کہ سرمایہ دارانہ ظالمانہ نظام اب تادیر نہیں چلے گا۔ اب یہ اپنی موت مرکر رہے گا۔ اب اسلامی نظام ہی آئے گا یا پھر خدانخواستہ سوشلزم اور کمیونزم۔ اب یہ سرمایہ داروں کا کام ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ وہ اپنے مرض کا علاج اس حکیم حاذق و طبیب ماہر سے کرانا چاہتے ہیں جو خدا ترس بھی ہے اور اپنے فن علاج میں نہایت ماہر بھی۔ یا وہ اپنے آپ کو اس نیم حکیم خطرۂ جاں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو سنگدل بھی ہے اور اناڑی بھی۔ سرمایہ داروں کو اب دوٹوک فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ اپنے مسائل کا حل اس نظام سے کرانا چاہتے ہیں جو عدل وانصاف کا علمبردار ہے یا اس نظام کے ذریعے جو خونخوار اور خنجر بدست ہے۔ اگر دولت مند سرمایہ دار اپنے اور اپنے اہل وعیال کے دشمن نہیں، تو اسلام کے تجویز کردہ نظامِ نظامِ معیشت کو رضاکارانہ طور پر اختیار کرکے اپنی دنیا و آخرت سنوار لینا چاہیئے۔ اگر وہ اس کے لیے تیار نہیں، تو انہیں پھر ایسے نظام کو قبول کرنا ہوگا جو اپنی پیاس انسانی خون سے بجھاتا ہے۔ وہ نظام جو صرف مال ہی نہیں، بلکہ جان بھی لیتا ہے اور عزت و رزق بھی لوٹ لیتا ہے۔

عوام سے حرفِ آخر

عوام سے حرفِ آخر کے طور پر گزارش ہے کہ وہ بھی غور کرلیں کہ کیا وہ اس نظام کو قبول کرنا چاہتے ہیں جو انہیں خودداری و آزادی اور رزق کا تحفظ دیتا ہے اور ان کے معاشی مسائل بھی بڑی خوش اسلوبی و کرم نوازی سے حل کرتا ہے یا اس نظام کو جو خودداری کو مجروح اور آزادی کو سلب کرکے ان کے خون کو نہایت بے قیمت کرتا ہے ... روٹی بھی اس قدر ڈالتا ہے کہ پیٹ بھی نہ بھرے اور سر چھپانے کو جگہ تو دیتا ہے، مگر قبر سے بھی تنگ۔

اُمید ہے کہ مسلمان ایک اُمتیِ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی لاج رکھتے ہوئے نہ صرف نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرلیں گے، بلکہ اس کے نفاذ و ترویج میں کسی لوم ملام کے خوف و خطر کے بغیر بھرپور حصہ لیں گے اور اس کے لیے اپنے تمام وسائل و خدمات وقف کر دیں گے ؎

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم — حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ اُمت — ترا با شوخیِ رندانہ گفتم

؎ وقتِ فرصت کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(نوٹ) یہ نہایت ہی باعثِ مسرت بات ہے کہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان نے نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا ہے اور عدالتوں کو غیر اسلامی قانون کو ختم کرنے کی ہدایت فرما کر اسلام کی سچی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ ہم انہیں تہِ دل سے مبارک باد پیش کرتے اور اپنی طرف سے ہر خدمت و تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید خدمتِ اسلام کی مزید توفیق بخشے۔ آمین۔ فقط۔

محتاجِ دُعا
مفتی محمد ابوسعید غلام سرور قادری
ایم۔ اے۔ اسلامک لاء لاہور



کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہاں آرا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

موجودہ معاشی ناہمواری اسلام کی نظر میں

انسانوں کے درمیان اس قدر معاشی ناہمواری جو آج موجود ہے، اسلام کی نظر میں لائق برداشت نہیں، البتہ لوگوں میں اس حد تک معاشی فرق ایک فطری بات ہے کہ کسی طرح بھی اجتماعی زندگی انفرادیت کی تیغ سے گھائل نہ ہونے پائے اور عوام کی فلاح و بہبود کسی صورت میں بھی چند افراد یا ایک مخصوص طبقے کی اغراض کے تابع ہو کر نہ رہ جائے۔

رزق کی وسعت و تنگی بلاشبہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ مالی و معاشی اعتبار سے اس قدر تفاوت کہ کوئی محروم معیشت نہ ہو، مگر کوئی اعلیٰ و کوئی ادنیٰ ہو، یہ کرشمہ ہائے قدرت ہے ؎

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے

اس سلسلے میں ارشادات الٰہیہ ملاحظہ ہوں :

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ [۲] — اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی کشادہ اور تنگ کرتا ہے

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ (رعد) — اور اللہ نے تمہیں رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے

مندرجہ بالا ارشادات الٰہیہ سے اس بات پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے کہ مال و

دولت میں معمولی تفاوت ایک فطرتی اور قدرتی بات ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی تکوینی مصلحتوں پر مبنی ہے۔

بے تحاشہ معاشی خوشحالی

سب کے لیے بے تحاشہ خوشحالی خدا تعالیٰ کی مصلحتِ تکوینیہ کے خلاف ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ○ (شوریٰ)

اور اللہ اگر اپنے سب بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا، تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے لیکن وہ جتنا چاہتا ہے مناسب انداز سے اتارتا ہے، وہ اپنے بندوں سے باخبر اور انہیں دیکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں اور استعدادوں کو جانتا ہے۔ ان کے احوال و اعمال پر نظر رکھتا ہے اور ہر بندے کو اس کے ظرف و ضرورت اور مصلحت کی مناسبت سے رزق دیتا ہے اور وہ اگر سب کو بے تحاشہ خوشحال کر دے تو وہ کفر و نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں ایسا تصادم ہو کہ کسی کے کسی سے دبنے کی کوئی باقی نہ رہے ؎

یہ امتیازِ رفعت و پستی اسی سے ہے!
گل میں مہک شراب میں مستی اسی سے ہے

غرضیکہ بندوں کے درمیان ظلم و استیصال کے بغیر رزق و معاش کا معمولی تفاوت عین حکمتِ ایزدی پر مبنی ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ اشتراکی و کمیونسٹ بھی اسی فطری تفاوت کو مٹانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔

لیکن ان کا نعرۂ مساوات محض فریب اور حصولِ اقتدار کے لیے ہوتا ہے، تاکہ

52865

بے چارے بے شعور لوگ ان کے دامِ فریب میں آکر ہمیشہ کے لیے ان کی غلامی میں آجائیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے جسے خدا تعالیٰ نے ضیاءِ شعور بخشی ہے ؎

خداوندا ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلّی سے نور دے

موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمّہ دار کون؟

(ا) ملکی نظامِ حکومت جو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ہاتھ رہا ہے۔

(ب) عدم مساوات یعنی موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمّہ دار غیر اسلامی معاشرہ ہے۔ یہ ناہمواری رسوائے زمانہ سرمایہ داری نظام کا شاخسانہ ہے جو اس وقت برطانیہ فرانس اور امریکہ وغیرہ میں رائج ہے۔ اس آمرانہ نظام کے کل پُرزوں نے معاشی نظام میں وہ سنگینی پیدا کر دی ہے کہ ملک کی اسّی فیصد دولت چند ہاتھوں میں چلی گئی ہے اور باقی ساری آبادی کو معاشی بدحالی کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا گیا ہے۔ اس طرح سے اسّی فیصد آبادی کا ہر فرد افلاس و غربت کے جال میں پھنسا ہوا ہے ؎

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
غربت کے غمکدے کو وطن جانتا ہوں میں

ایک طرف تو بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار ہیں جن کے پاس اتنی اراضی ہے کہ ان سے سنبھالی نہیں جاتی۔ ان کے کتّے دودھ پیتے اور مرغ و بٹیر تک کے گوشت سے پلتے ہیں اور دوسری طرف ایسے مزارعین، کسان اور کاشتکار ہیں جو زمین کو ترس رہے ہیں۔ یہ لوگ زمینداروں اور جاگیرداروں کے استحصال کا شکار ہیں۔ ان کے بچوں کو دودھ اور گوشت تو کجا ٹھنڈا پانی اور تازہ روٹی کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک طرف

تو بڑے بڑے کارخانہ دار، صنعت کار اور سیٹھ صاحبان ہیں جن کی ماہانہ آمدنی لاکھوں روپوں سے متجاوز ہے اور دوسری طرف وہ بدقسمت مزدور، کم آمدنی والے لوگ ہیں جنہیں ضروریات زندگی تک میسر نہیں اور وہ معاشی الجھن کے بھنور میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ خوشحالی کی اس منزل کا کوئی نشان نہیں دیکھ پاتے جس کے اشتیاق میں انہوں نے ۱۹۷۰ء میں سفر کا آغاز کیا تھا ؎

منزل کا اشتیاق ہے گم کردہ راہ ہوں
اے شمع! میں اسیر فریب نگاہ ہوں

اور ایک طرف تو ایسے افسران حکام عالی مقام ہیں جو ماہانہ تنخواہوں، الاؤنسوں اور رہائشی گاہوں کی صورت میں قومی خزانے سے ہزاروں روپے پا رہے ہیں اور دوسری طرف وہ ادنیٰ ملازمین ہیں جن کی ماہانہ تنخواہیں ان کی روزمرہ کی ضروریات تک کے لیے ناکافی ہیں۔!

مزید برآں سیاسی رشوتوں، روٹ پرمٹوں، امپورٹ لائسنسوں، اراضی کے خطیات یعنی جاگیر بخشیوں، صنعتی اجارہ داریوں اور مصنوعی تخفیفات نے سرمایہ داروں کی سرمایہ داری اور دولت مندوں کی دولت میں مزید اضافہ کیا ہے اور دوسری طرف ناجائز گرانیوں اور رشوت ستانیوں نے ملک بھر کے عوام کی کمر ہمت توڑ کر ان کی آرزوؤں کا خون کر کے رکھ دیا ہے ؎

آرزوؤں کے خون سے رنگیں ہے دل کی داستاں
انساں سراپا اضطراب، انتشار و پُر فغاں

سرمایہ دارانہ نظام کے مخالف سوشلسٹوں کی حکومت نے بھی ملک و عوام کو جس طرح مصیبت سے دوچار کیا، اس سے ملک کے غریب عوام ایک اور خطرناک معاشی بحران میں پھنس کر رہ گئے۔ بلکہ ان کی زندگی جانوروں کی سی ہو کر رہ گئی ؎

بھٹکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

آخر عوام کو اس بات کا شدت سے احساس ہو گیا ہے کہ یہ معاشی ناہمواری یعنی یہ فرعون سامانی اور فاقہ کشی، خدا تعالیٰ کی مرضی و پسند پر ہرگز مبنی نہیں ہے۔ بلکہ یہ غیر اسلامی معاشرہ کا نتیجہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ — خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ — لوگوں کے اپنے کرتوتوں سے ان کو اپنے
بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ — کرتوت کا مزا چکھنا چاہیئے تاکہ وہ [illegible]
يَرْجِعُونَ ۝ (الروم) — طرف لوٹیں۔

غرضیکہ اسلام کے معاشی نظام میں زمیندار اور مزارع اور محنت [illegible] کی طبقاتی جنگ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی اسلام کے معاشی نظام میں [illegible] اونچ نیچ کا کوئی تصور ہے کہ ایک طبقہ بے پناہ سرمایہ و دولت کا مالک ہو [illegible] دوسرا ملک کی آبادی کا اسی فیصد طبقہ فقر و فاقہ کا شکار [illegible] زندگی گزارنے پر مجبور ہو بلکہ اسلام کا معاشی نظام لوگوں کو معاش کے سلسلے میں [illegible] حقوق دے کر انہیں طبقاتیت کی کشمکش سے بالاتر کر کے ان میں اخوت و محبت کی فضا پیدا کرتا ہے نتیجۃً نہ صرف خوشحالی ہی نہیں بلکہ نفسی نفسی [illegible] پاک ہو کر آپس میں بھائی بھائی ہو جاتے ہیں ۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

اسلام کے معاشی نظام کی خوبیوں کا ایک اجمالی خاکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے ادوار سراپا انوار میں عام خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ مسلم و کافر، مومن، مشرک، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے کو امتیاز کیے بغیر امن و سکون کی ایسی زندگی میسر تھی کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے لیے پھرتے تھے، مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۵ ص ۶۴)

یمن میں ایک بھی مفلس نہ رہا

عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا وہ جند میں رہے، حتیٰ کہ خلافتِ صدیقیہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تحت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد واپس آئے، تو حضرت عمر نے بھی انہیں واپس سابقہ خدمات پر بھیج دیا، تو ایک مرتبہ حضرت معاذ نے حضرت عمر کے پاس (مرکز کو) یمن کی زکوٰۃ کا تیسرا حصہ بھیجا۔ حضرت عمر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہیں مال جمع کرنے یا زکوٰۃ و جزیہ وصول کرنے کو نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہاں کے امیروں سے لے کر (مرکز کو بھیجنے کی بجائے) وہاں کے ہی ضرورت مندوں میں بانٹو۔

اس پر حضرتِ معاذ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں بھیجی جسے وصول کرنے والا یہاں موجود ہو، پھر اگلے سال آدھی زکوٰۃ بھیجی، پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ میں حسبِ سابق گفتگو ہوئی اور تیسرے سال کے بعد یمن کی ساری زکوٰۃ مدینہ آگئی، حضرت عمر نے وہی بات کہی، تو حضرت معاذ نے جواب دیا کہ یہاں یمن میں ایک ضرورت مند بھی نہیں ملتا، جو مجھ سے صدقہ و زکوٰۃ لینے والا ہو۔

(کتاب الاموال ص ۳۷۸۔ ج ۲)

یعنی سب خوش حال تھے، کیونکہ اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا فطری اور بہتر نظام ہے جس میں قدیم و جدید اور مذہبی و عقلی نظاموں کے تمام محاسن و خوبیاں بہ تمام و کمال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے ادوار سراپا انوار میں عام خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ مسلم و کافر، مومن، مشرک، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے کو امتیاز کیے بغیر امن و سکون کی ایسی زندگی میسر تھی کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے لیے پھرتے تھے، مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۵ ص ۶۴)

یمن میں ایک بھی مفلس نہ رہا

عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا وہ جند میں رہے، حتیٰ کہ خلافت صدیقیہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تحت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد واپس آئے، تو حضرت عمر نے بھی انہیں واپس سابقہ خدمات پر بھیج دیا، تو ایک مرتبہ حضرت معاذ نے حضرت عمر کے پاس (مرکز کو) یمن کی زکوٰۃ کا تیسرا حصہ بھیجا۔ حضرت عمر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہیں مال جمع کرنے یا زکوٰۃ و جزیہ وصول کرنے کو نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہاں کے امیروں سے لے کر (مرکز کو بھیجنے کی بجائے) وہاں کے ہی ضرورت مندوں میں بانٹو۔

اس پر حضرت معاذ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں بھیجی جسے وصول کرنے والا یہاں موجود ہو، پھر اگلے سال آدھی زکوٰۃ بھیجی، پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ میں حسب سابق گفتگو ہوئی اور تیسرے سال کے بعد یمن کی ساری زکوٰۃ مدینہ آگئی، حضرت عمر نے وہی بات کہی، تو حضرت معاذ نے جواب دیا کہ یہاں یمن میں ایک ضرورت مند بھی نہیں ملتا، جو مجھ سے صدقہ و زکوٰۃ لینے والا ہو۔

(کتاب الاموال ص ۳۷۸۔ج ۲)

یعنی سب خوش حال تھے، کیونکہ اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا فطری اور بہتر نظام ہے جس میں قدیم و جدید اور مذہبی و عقلی نظاموں کے تمام محاسن و خوبیاں بہ تمام و کمال

موجود ہیں اور ہر طرح کے نقص و عیب سے بالکل خالی، بلکہ ہر طرح کے معاشی مسموم اثرات کا بے نظیر علاج ہے کہ یہ نظام کسی انسان کے فکر و عمل کی اختراع نہیں جو اس میں باہمی انتقام یا طبقاتی منافرت جیسی کمزوریوں کا عنصر ملحوظ رکھا گیا ہو، بلکہ یہ نظام خالقِ کائنات کی حسین و جمیل تخلیق و ترتیب ہے جو ہمہ گیر اور ہر طرح کی موجودہ و متوقع ارتقا ئیت پر حاوی ہے اور رہوگا۔ جس کے بارے میں دنیا کے اہلِ انصاف فیصلہ دے چکے ہیں کہ اگر معاشی مسائل کا کوئی صحیح حل ہے، تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے جسے دشمنانِ اسلام کی طرف سے رجعت پسندی کے طعنے کے ڈر سے مسلمانوں نے چھوڑا ہوا ہے ؎

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا، تو نے
وہی چراغ جلیں گے، تو روشنی ہو گی

اسلام کے معاشی اصول، قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم نے اپنی روشنی کے مطابق عبادات، معاملات و سیاسیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلقہ مسائل کی طرح معاشی مسائل کو بھی اصولی اور کلیاتی انداز میں معجزانہ اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کرکے ان کی تفسیر و تشریح لتبینہ للناس اور لعلہم یستنطونہ، کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور فقہاء کرام کے اجتہاد و استنباط کے سپرد کر دیا گیا۔

معاشی حقوق میں سب برابر ہیں

معاشیات سے متعلق قرآن کریم نے جن بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ رزق و معاش حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ ہر

فرد کے رزق و معاش کا ذمہ دار ہے۔ البتہ درجاتِ رزق میں تفاوت ایک امرِ مسلّم ہے۔ قرآن کریم کے سب ہدایت کوئی فرد بھی رزق و معاش سے محروم نہ ہو، کیونکہ حقوقِ معاش میں سب کے سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی کسی کے حقِ معاش میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں دیا۔ اس سلسلہ میں چند آیاتِ الٰہیہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (ذاریات)	تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا آسمان میں (خدا کے ذمہ) ہے۔
(۲) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ)	اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ بنایا جو زمین میں ہے۔
(۳) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ (انعام)	افلاس اور تنگی کی وجہ سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو۔ ہم ہی تمہیں اور انہیں روزی دیتے ہیں۔
(۴) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (هود)	زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔
(۵) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ (حجر)	اور تمہارے لیے اور ان کے لیے جنہیں تم روزی نہیں دیتے، ہم نے زمین میں معیشت کے سامان بنا رکھے ہیں
(۶) وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ۔ (حٰم سجدہ)	اور اللہ نے زمین میں اہلِ زمین کی روزیاں چار دن کے اندر مقرر فرمائیں سب حاجت مندوں کیلئے برابر۔

ے٦ کا ترجمہ اس احتمال کی بنا پر ہے کہ سواءً بمعنی مستویۃً ضمیر سے حال ہو اور للسائلین اس سے متعلق ہو یا سواءٌ بمعنی مستوٍ مبتدائے محذوف کی خبر ہو، چنانچہ رُوح المعانی میں ہے:

وَقِيلَ متعلقٌ بِسَوَاءً عَلٰى إِنَّهُ حال مِنَ الضَّمِيرِ وَالمعنٰى مستَوِيَةً مهياةً لِلمُحْتَاجِينَ اليه وَ نفعُهَا مستوٍ مهيا للمحتاجين اليه مِنَ البَشَر (ج ٢٤ ص ٩٠)

اور کہا گیا ہے کہ للسائلین کا تعلق سواء کے ساتھ ہے۔ بنابریں کہ یہ ضمیر سے حال ہو اور معنی ہوگا کہ روزیاں حاجتمندوں کے لیے برابر تیار کی گئی ہیں اور ان کا نفع سب حاجتمند انسانوں کے لیے برابر مہیا (تیار) کیا گیا ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ یہاں برابر سے مراد نفس حقوقِ معاش میں برابری ہے۔ درجات میں نہیں تاکہ تفاضل فی الرزق والی آیات سے تعارض نہ ہو۔

غرضیکہ آیاتِ بالا سطورہ میں تمام لوگوں کے درمیان خواہ مسلمان ہوں یا کافر، حقِ معیشت میں مساوات کا جس قدر صاف اور صریح بیان ہے، وہ کسی عقلمند اور اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

سب کو برابر حقوق معاش فراہم کرنا سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے

عالمِ تشریع میں خدا تعالیٰ کے اس مقصدِ عظیم کی تکمیل کا ذمہ دار خلیفۂ وقت [illegible] مملکت ہے۔ سربراہ مملکت اور خلیفۂ وقت کی نگاہ میں ایک فرد بھی ایسا نہ [illegible] کہ خداداد حقوق سے محروم ہو اور جو سربراہ مملکت اس ذمہ داری کو پورا [illegible] الناس کو معاشی حقوق فراہم کرنے سے قاصر ہو وہ نیابتِ الٰہیہ یعنی اقتدار کا اہل نہیں ہے چنانچہ جناب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر میرے دورِ خلافت

میں ایک اونٹ بھی بھوک سے مرگیا۔ تو میں روزِ قیامت خدا کے حضور اپنے آپ کو اس کا جواب دہ سمجھتا ہوں۔

غرضیکہ بندہ و مولا حقوقِ معاش میں برابر کے مستحق ہیں کسی کو کسی پر تفضل و تفوق نہیں، یہی قرآن کریم کے معاشی اصول کا مقتضیٰ و مدعیٰ ہے ؎

پیش قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسند و دیبا یکے است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد مال کو حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا

مشکوٰۃ شریف میں مسلم شریف کے حوالہ سے

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ ہم سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک شخص اونٹ پر سوار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اپنے اونٹ کو دائیں بائیں کدا رہا تھا (مگر اس کا اونٹ تھکاوٹ کی وجہ سے چل نہیں سکتا تھا) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سواری ہو وہ اُسے دیدے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زادِ سفر ضرورت سے زائد ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ سفر نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مختلف ضروریات میں کام آنے والے) اموال کا ذکر کیا، یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ زائد از ضرورت (یعنی فاضل) اموال میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۳۸/۳۳۹)

ضرورت اور سہولت کے مختلف احکام

اسلام میں ضرورت کے احکام اور ہیں اور سہولت کے اور۔ احکامِ ضرورت تو کسی حد تک مساوات و برابری ہے، مگر احکامِ سہولت میں

مساوات یعنی ہمدردی ہے، مثلاً کفر و اسلام میں جنگ چھڑ جائے، اسلام کو ایک ایک مجاہد کی ضرورت درپیش ہو اور ایک مجاہد کے پاس سامانِ جنگ ضرورت سے زیادہ ہو، لیکن دوسرے کے پاس کچھ نہ ہو اور اس دوسرے کا میدانِ جہاد میں شریک ہونا بھی از حد ضروری ہو، تو اس صورت میں نادار کے لیے اوّل الذکر سے زائد از ضرورت سامان زبردستی لیا جائے گا، کیونکہ یہاں ضرورت ہے، لہٰذا یہاں کسی حد تک مساوات کا اہتمام ہے؛ چنانچہ امام شمس الائمہ سرخی المبسوط میں فرماتے ہیں:

لَوِ احْتَاجُوْا اِلٰی سِلَاحِ اَهْلِ الْعَدْلِ كَانَ لَهُمْ اَنْ يَاخُذُوْهُ لِلْحَاجَةِ وَالضَّرُوْرَةِ وَقَدْ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَفْوَانَ دُرُوْعًا فِیْ حَرْبِ هوازن وكان ذالك بغير رضاه۔

اور ضرورت پڑ جائے تو وہ ان سے بہر صورت لے سکتے ہیں (خواہ راضی ہو یا نہ ہو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے اس کی رضامندی کے بغیر زرہیں پکڑ لی تھیں اور یہ جنگ بنی ہوازن میں ہوا۔

(ج ۱۰، ص ۱۲۶)

لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد وہ سامانِ جنگ مالک کو واپس کرنا ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی بھوک و پیاس سے مر رہا ہے یا ننگا پھر رہا ہے اس کے پاس جان بچانے اور تن ڈھانپنے کو کچھ نہیں اور بیت المال بھی خالی ہے، تو غنی سے اتنا مال زبردستی لیا جائے گا جس سے ان فاقہ کشوں کی جان بچ جائے اور تن ڈھانپا جائے اسلام کے معاشی نظام میں اس حد تک مساوات کا اہتمام کرنا ضروری ہے لیکن اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ غریب و فاقہ کش تو فاقہ و تنگی کے باعث جاں بلب ہو رہے ہوں اور غنی لوگ تماشائی بنے رہیں۔

دوسری صورت سہولت کی ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص پیدل سفر کرتا ہے اور دوسرے

کے پاس دو سواریاں ہیں۔ ایسی صورت میں دوسرے کی سہولت کے لیے مساوات وہمدردی کی ترغیبات سے کام لیا جائے گا، اکراہ سے نہیں۔

اور مذکورہ بالا حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی صرف مواسات وہمدردی کی تعلیم پر مبنی ہے: چنانچہ امام المحدثین رئیس المحققین مولانا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیہ حث علی الصدقة و مواساة لاهل الرفقة والاصحاب الخ

اور اس حدیث میں رفقا و اہلِ اسلام احباب کے ساتھ ہمدردی واحسان کرنے کی ترغیب ہے۔

غرضیکہ ہمدردی واحسان کی ترغیب پر مبنی بہت سی آیات واحادیث ہیں جنہیں اشتراکی لوگ نافہمی سے مواسات کی بجائے غیر فطری مساوات پر محمول کرتے ہیں۔

مساوات اور ہمدردی کے مواقع

مساوات اور ہمدردی کے مواقع الگ الگ ہیں۔ حقوق واجبہ وضروریہ میں مساوات ضروری ہے۔ مثلاً کسی کی دو بیویاں ہیں۔ تو اس پر فرض ہے کہ انہیں مساوات وبرابری سے رکھے۔ لیکن باہمی ہمدردی وصلہ رحمی اور سلوک واحسان میں مساوات وبرابری ضروری نہیں۔ مثلاً ایک شخص خیرات وصدقہ میں ایک درویش وفقیر کو دس روپے دیتا ہے اور دوسرے کو بیس روپے، اس میں حرج نہیں۔ ایسا کرنے سے وہ گنہ گار نہ ہوگا، مگر حقوق واجبہ کی صورت میں برابری نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا۔

یہ فرق ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ لیکن اشتراکی اس حقیقت سے اغماض کر کے خود بھی ٹھوکر کھاتے ہیں اور دوسرے ناواقف لوگوں کو بھی فریب دیتے ہیں ؎

از فریب عصر نو ہشیار باش
رہ فتد اے راہرو ہشیار باش

اسلامی نظامِ معیشت میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا

سوہاروی صاحب نے علامہ ابن حزم ظاہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تمام ائمۂ مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اسلام کے بیت المال میں اس قدر گنجائش نہ ہو کہ محتاجوں کی کفالت ہو سکے، تو خلیفۂ وقت یعنی سربراہِ مملکت اربابِ دولت کو اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ان محتاجوں کے لیے اپنے فاضل مال سے اس قدر دیں جس سے انہیں ضرورت کے مطابق کھانا، گرمی و سردی کا الگ الگ لباس اور رہنے کے لیے بارش و دھوپ اور سیلاب ایسے حوادث سے محفوظ مکان فراہم کیا جا سکے ؎

الٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلّاقی

کیا فقر و فاقہ خدا کی تقدیر سے ہے

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فقر و فاقہ اور افلاس خدا کی تقدیر و مرضی سے ہے۔ اگر خدا چاہتا، تو ان کو بھی دولت عطا کرتا، تو جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں بھی محتاج و فقیر رکھا ہے۔ اسلام کا نظامِ معیشت انہیں کیونکر فارغ البال کر سکتا ہے۔ اور یہ تقدیرِ الٰہی پر موقوف ہے۔ ہم تقدیرِ الٰہی کو کیسے پھیر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعینہٖ وہی سوال ہے جو کفار نے کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللہُ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللہُ اَطْعَمَہٗ۔

یعنی جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ تم خدا کے دیے ہوئے سے خرچ کرو، تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کیا ہم انہیں کھانے کو دیں جنہیں اگر خدا چاہتا تو

کچھ کھانے کو دے۔

یہ سوال اسلام کی ایک اہم بات کو فراموش کر دینے سے پیدا ہوتا ہے، اگر اسے یاد رکھیں، تو کوئی الجھن نہ ہو اور تقدیرِ الٰہی کو بہانہ بنا کر معاشی بدحالی میں مبتلا افراد کی امداد و اعانت ایسے بہترین عملِ صالح سے حرماں نصیبی بھی نہ ہو ؎

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی یا خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

عالمِ تکوین و عالمِ تشریع

اور وہ بات عالمِ تکوین و عالمِ تشریع میں فرق کرنا ہے، فقر و افلاس خدا کی تقدیر و تکوین سے ضرور ہے مگر اس کی تشریعی ہدایات یہ ہیں کہ ہم افلاس و فقر کے مارے ہوئے لوگوں کی امداد و اعانت کریں جیسے ایک بیمار کی بیماری خدا تعالیٰ کی تکوین و تقدیر سے ہے، لیکن ہمیں اس کا تشریعی حکم ہے کہ ہم دوا کے ذریعے اس کی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کریں جیسے ترکِ دوا اس بیمار کے ساتھ جذبہ ہمدردی کے منافی، بلکہ اس بیمار کے ساتھ ظلم ہے۔ ایسے ہی مفلسوں کے افلاس کو ختم نہ کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے جس کی اجازت اسلام کا نظامِ معیشت ہرگز نہیں دے سکتا کہ اسلام معیشتِ انسانی کے رموز سے صحیح واقفیت رکھتا ہے ؎

جانتا ہوں آہ! میں آلامِ انسانی کا راز!!
ہے نوائے شکوہ سے خالی میری فطرت کا ساز

غرضیکہ ہمیں خدا تعالیٰ کے نظامِ تکوینی پر ایمان اور نظامِ تشریعی پر نظر رکھنی چاہیے۔ ہم نظامِ تشریعی کے مکلف ہیں تکوینی کے نہیں، تو جس کے ہم مکلف ہی نہیں، اسے موضوعِ سوال کیونکر بنایا جا سکتا ہے۔

فلسفۂ تفاوتِ درجاتِ رزق

اسلام کے معاشی نظام سے متعلق قرآن کریم نے جن بنیادی اصولوں پر روشنی

ڈالی ہے، ان میں سے دوسرا یہ ہے کہ اگرچہ حقِ معیشت میں انسان برابر ہیں، تاہم درجاتِ معاش ومراتبِ رزق میں فرق ایک فطری بات ہے اور یہ بھی اس حد تک کہ بالا طبقہ زیریں طبقہ کا استحصال نہ کر سکے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں اور یہ تفاوتِ معمول، فریقین کے حق میں ابتلاء وامتحان ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ	کہ تمہیں خدا نے ایک دوسرے پر درجوں
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَآ اٰتٰكُمْ (انعام)	بلند کیا تاکہ جو کچھ اس نے دیا اس میں تمہیں آزمائے

اس آیت میں جس تفاوتِ درجات کا بیان ہے، اس سے رزق میں تفاوتِ درجات مراد ہے؛ چنانچہ تفسیر امام ابن جریر میں ہے :

رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ	یعنی خدا نے تمہیں ایک دوسرے
يَقُوْلُ فِى الرِّزْقِ ۔ (ج ۸ ص۸۴)	پر درجوں بلند کیا، یعنی رزق میں۔

علامہ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ عنہ پر اپنی تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں :

یعنی (خدا نے رزق میں مختلف درجے اس لیے رکھے کہ تمہیں) آزمائش میں ڈالے کہ تم نعمت وجاہ وجلال پاکر شکر گزار رہتے ہو اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ کس قسم کے سلوک کرتے ہو۔ (حمائل تاج کمپنی ص۲۲۲)

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى	(ہم نے لوگوں کے درمیان دنیا کی زندگی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ	میں ان کا معاش بانٹا اور ہم نے انہیں (ج
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ	رزق) میں ایک دوسرے پر اونچا کیا تاکہ
بَعْضًا سُخْرِيًّا ۔ (زخرف)	وہ ایک دوسرے سے خدمات لے سکیں

یعنی ہم نے مال ودولت میں لوگوں کو مختلف بنایا تاکہ وہ اس مال کے ذریعے ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں، یعنی اگر ایک غریب وبے مال ہے، یعنی مال کا محتاج ہے

تو امیر خدمت کا محتاج ہے، اسے خادم کی محتاجی ہے، اس طرح باہمی تعاون سے دُنیا کا نظام درست ہو کر غریب کو ذریعہ معاش ہاتھ آئے اور مال دار کو کام کرنے والے بہم پہنچیں تو اس پر کون اعتراض کر سکتا ہے کہ فلاں کو کیوں غنی کیا اور فلاں کو اس کے برابر کا امیر کیوں نہ کیا۔ دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی اٹکل پچّو سے نہیں، بلکہ ایک خاص نظامِ تکوینی سے چل رہی ہے۔ اسلام غریبوں اور محنت کشوں پر امیروں اور بالادست لوگوں کے جور و جبر اور استیصال کو روکتا ہے، لیکن معمول کی حد تک چھوٹے بڑے کا فرق تو ایک فطری امر ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے معاشی مسائل میں نہایت ہی روشن اور مستحکم اصولوں سے انسانیت کی ایسی رہبری کی ہے جس سے ہر وقت و ہر زمانے کی پرواز کا رُخ صحیح سمت کی طرف بدل جاتا ہے ؎

حیرتی ہوں میں تیری تصویر کے اعجاز کا!
رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

اپنا اپنا فرض

اس قدرتی اور فطری فرقِ مراتب کے پیشِ نظر اسلام نے امیر و غریب پر الگ الگ فرض عائد کیا ہے جن کی رو سے غنی اور امیر کا فرض ہے کہ دولت کو محض انفرادی اور شخصی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنا کر نہ رکھے، بلکہ اسلام کی ہدایت کے مطابق حاجت مندوں پر زکوٰۃ و صدقات اور عطیات کی مدد سے صرف کر کے معاشرہ کی ترقی کا باعث بنے اور غریب کا فرض ہے کہ وہ مال دار کے مال کو حسد کی نظر سے نہ دیکھے، بلکہ اس فقر و تنگدستی کو برکاتِ اخروی کا ذریعہ تصور کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سے مسلمانوں میں فقر و تنگدستی کے خلاف نفرت اور مالی فراوانی کا جذبہ پیدا ہوا ہے، ان کے دلوں سے سکون و طمانیت کی روحانی دولت چھن گئی ہے ؎

یہ فقرِ مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی

قرآن کریم میں ہے :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (نساء)

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

بہرصورت شکاران فقر و افلاس و اہل غربت کو اپنی ایمان و دولت کی بقا اور اخروی کامرانی کی آرزو ہونی چاہیے اور دل و نگاہ میں غیروں کے مال و متاع کا کوئی طمع و لالچ نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کہ مجھے اپنے اختیاری فقر و فاقہ پر ناز ہے، کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی طرح اپنے فقر اضطراری پر غیور و مفتخر ہونا چاہیے ؎

سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں — بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے — کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

فقیرم ساز و سامانم نگاہ بیست !!
بچشمم کوہ یاراں برگ کاہیست

تنگدستی اور اسلام

جیسا کہ پہلے گذرا ہے اسلام تنگدستی کو اچھا تصور نہیں کرتا حدیث شریف میں ہے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا (رواہ ابو نعیم فی الحلیة عن انس بسند ضعیف) کہ ضروریات زندگی میں تنگدستی قریب ہے کہ کفر پر منتج ہو جائے تاہم اس پر صبر و شکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی تکوین و تقدیر پر راضی رہنا اور مالداروں کے مال پر نگاہ حسد ڈالنے کی بجائے بمطابق ارشاد باری تعالیٰ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کہ ہر انسان اپنی کوشش کا ہی پھل پاتا ہے۔ اپنے لیے خود معاشی وسائل کا انتظام کرنا گناہوں کا کفارہ اور بلندی درجات کا باعث ہے جیسے بیماری اسلام کے نزدیک اچھی نہیں تاہم بیمار کا واویلا کرنے کی بجائے صبر و شکر کے ساتھ شفا کے حصول کے لیے دوا استعمال کرنا ضروری ہے اور بیماری میں صبر و شکر کرتے

ہوئے حصولِ شفا کے لیے عالمِ اسباب کے تحت کوشش کرنے والا خدا کا محبوب قرار پاتا ہے۔ اس کے گناہ جھڑتے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس طرح فقر و افلاس پر صبر و شکر کرنے والے کی جزا بھی جنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فقر و افلاس والے اکثر جنت میں اور غنی و مالدار اکثر دوزخ میں دیکھے گئے۔ فقر و افلاس والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے سے اوپر والوں کو نہیں نیچے والوں کو دیکھیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

انظروا الی من ھو اسفل منکم ولا تنظروا الی من ھو فوقکم (مسلم) کہ تم اس کی طرف دیکھو جو معاشی حالت میں تم سے کمتر ہو اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہو۔

یعنی آنکھ کو نگاہِ حسد اور زبان کو حرفِ بے صبری سے پاک رکھنا ایمان و اسلام کا تقاضا ہے۔

پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو

اور حدیث میں ہے کہ میری امت کے تنگدست صبر و شکر کرنے والے لوگ اہلِ دولت سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے اور یہ پانچ صد سال دنیا کے ہیں جو آخرت کے نصف یوم کے برابر ہوں گے۔ گویا غریب لوگ امیروں کی نسبت خدا کے دیدار سے پہلے ہی مشرف ہوں گے۔

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے!
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے!

حرصِ دولت کی ممانعت

اسلام کے اصولِ معاشیات میں سے تیسری اصل یہ ہے کہ اسلام کسی ایسے طریق کو برداشت نہیں کرتا جس سے ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز و مجتمع ہو کر رہ جائے اور اسی وجہ سے اسلام نے احتکار و اکتناز کو جائز قرار نہیں دیا؛ چنانچہ سورۂ توبہ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے،

اے نبی انہیں دردناک عذاب کی اطلاع کر دیجئے اور سورۂ حشر میں فرمایا کہ فقرا اور مساکین و قرابت داروں اور یتیموں وغیرہم پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خرچ کرنے کا جو یہ طریقہ بتایا ہے، وہ اس لیے ہے کہ مال صرف دولت مندوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

اسی طرح بہت سی آیات ہیں جنہیں مفلسوں اور حاجت مندوں پر فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیبات دی گئی ہیں تاکہ مال کے وہ حقوق ادا ہوں جو اجتماعی مفادات کے سلسلے اس سے متعلق کیے گئے ہیں۔

ضرورت سے زائد مال کا رکھنا

اگرچہ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ وغیرہ ایسے حقوق ادا نہ کیے جائیں، وہ اکتناز کی تعریف میں آتا ہے، ورنہ نہیں اور یہ کہ مال و سرمایہ سے زکوٰۃ وغیرہ ایسے فریضے کی ادائیگی کے بعد اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے زائد مال رکھنا جائز ہے، لیکن اسے اسلام نے بنظر تحسین نہیں دیکھا بلکہ افضل و لائق تحسین یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو ذخیرہ کرنے کی بجائے ضرورت مندوں میں بانٹ دیا جائے، بلکہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے زاہد ترین حضرات تو اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ آیت "والذین یکنزون الذھب الخ" کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ضرورت سے زائد مال کو گھر یا بنکوں میں جمع کر کے رکھ دینے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دینے کو فرض سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ زیر آیت والذین یکنزون الذھب الآیہ)

احتکار کی تعریف و ممانعت

احتکار کی تعریف و ممانعت سے بھی یہی مقصود ہے کہ کہیں ارتکاز دولت نہ ہو، بلکہ اس میں تحریک رہے جس سے معاشرے کے دوسرے لوگ بھی استفادہ کریں

اور احتکار یہ ہے کہ کسی چیز کی کمیابی و مہنگائی کے زمانہ میں اسے خرید کر جمع کر کے رکھ دیا جائے تاکہ وہ مزید نایاب و مہنگی ہو، تو اس وقت اسے منہ مانگے داموں بیچا جائے ایسا کرنا ممنوع و ناجائز ہے، جسے اسلام کے معاشی نظام میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر چیز شامل ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

من احتکر طعاما اربعین لیلة فقد برئ من اللہ وبرئ منہ۔ (جوھرہ شریف شرح قدوری ج ۲ ص ۲۸۸)

کہ جس نے کھانے پینے کی ضرورت کی چیز کو مزید مہنگائی اور کمیابی کی نیت سے چالیس رات تک روک رکھا، وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے۔

جانوروں کے چارہ میں ممانعتِ احتکار

اسلام کے اقتصادی نظام کی شفقتِ عامّہ اور رحمتِ تامّہ کا یہ عالم ہے کہ اس میں جانوروں کے چارہ تک میں ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے اور اس بات کو گوارا نہیں کیا گیا کہ جانوروں کے حقوق کا ضیاع و استیصال ہو؛ چنانچہ دُرِّ مختار میں ہے:

ویکرہ احتکار قوت البہائم۔ (ص ۲۸۲)

یعنی جانوروں کی خوراک کا احتکار ممنوع ہے۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جو نظام جانوروں کا استیصال برداشت نہ کرتا ہو، وہ انسانوں کا استیصال کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ بہر صورت اسلام کے اقتصادی نظام نے انسانوں اور جانوروں کی ہر چیز کا احتکار منع کیا اور اس کے مرتکب کو گنہگار قرار دیا ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہ گار ہے؛ البتہ سال بھر کا گھریلو خرچ گھر والوں کو سپرد کر دینا یعنی ایک سال تک کی ضروریات جمع کر کے رکھنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کو سال بھر

کا خرچہ جمع کرکے دیتے تھے (بخاری کتاب التفسیر ج ۲ صـ۷۲۵)
لہٰذا گھریلو ضرورت کے لیے جمع کرکے رکھنا منع نہ ہوا اور نہ ہی ضرورت کی اشیاء کو اپنی گھریلو ضرورت کے لیے جمع کرکے رکھنا خلافِ توکّل ہوا؛ البتہ کسی تاجر کا مہنگائی کی نیت سے رکھنا منع ہے جیساکہ تاجر کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے اس بات کا ارادہ کیا کہ میری امت پر ایک رات کے لیے مہنگائی آجائے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس سال کی نیکیاں ضائع کر دے گا۔ (رواہ الامام ابن عساکر فی تاریخہ)

احتکار کے جواز کی ایک صورت

ہاں اگر ایک چیز عام دستیاب ہو رہی ہے اور اس کے ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، تو اس کا ذخیرہ کر سکتے ہیں؛ چنانچہ درِ مختار میں ہے:

فَاِنْ لَّمْ یَضُرَّ لَمْ یُکْرَہْ۔ (ص۲۳۰ مطبع احمدی دھلی)

یعنی اگر ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف و پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو ناجائز نہیں ہے یہ صورت کے اعتبار سے احتکار ہے، مگر درحقیقت احتکار نہیں ہے اور اس صورت میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ جوں ہی وہ چیز کمیاب ہونے لگے اسے فوراً مارکیٹ میں لایا جائے، ورنہ گناہ ہوگا۔

بوقتِ ضرورت ذخیرہ اندوز تاجروں کے ذخیروں کو زبردستی فروخت و تقسیم کیا جائے

جب عام لوگ غلّہ کی ضرورت محسوس کر رہے ہوں اور تاجروں نے اسے ذخیرہ کر رکھا ہو یا بلیک میلنگ کر رہے ہوں، تو حاکمِ وقت انہیں حکم دے کہ وہ اپنے گھر والوں کی ضرورت کے لیے رکھ کر باقی کو فروخت کر دیں۔ اگر وہ قانونی حاکمِ وقت کے حکم کی پروا نہ کریں تو قانونِ اسلام یہ ہے:

عزرہ بما یراہ رادعا لہ و باع

حاکم ان ذخیرہ اندوزوں کو مناسب سزا

القاضی علیه طعامه وفاقا علی الصحیح وفی السراج لو خاف الامام علی اهل بلد الهلاك اخذ الطعام من المحتکرین وفرق علیهم فاذا وجدوا سعة ردوا مثله وهذا لیس بحجر بل للضرورة ومن اضطر الی مال غیره وخاف الهلاك تناوله بلا رضاه۔

(درالمختار [illegible] الاختیار ج ۴ صـ۲۲۲۔ الهدایه ج ۴ صـ۴۶۹-۴۷۰ طبع [illegible])

اوران کی ضرورت سے زائد کو فروخت کردے۔ کیونکہ عوام کو نقصان سے بچانے کا یہی واحد طریقہ رہ جاتا ہے اور جن عوام کے پاس قوتِ خرید نہیں، انہیں ویسے ہی دیدے، پھر جب ان کے پاس غلہ آئے تو وہ جتنا جتنا لیا ہے، واپس کردیں اور یہ تحجیر نہیں۔ بلکہ ضرورت و مجبوری کی بنا ہے، یہ ایسے ہے جیسے ایک شخص جاں بلب ہو رہا ہو اور اس کے پاس اپنا کچھ نہ ہو، تو وہ غیر کا مال اس کی مرضی کے بغیر اس قدر کھالے، جس سے اس کی جان بچ جائے۔

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کا معاشی نظام، معاشی بدحالی میں مبتلا عوام سے کس درجہ ہمدردی رکھتا اور انہیں ہر طرح کے استیصال سے کس خوبی سے بچاتا ہے۔ الغرض اسلام کے معاشی نظام نے سرمایہ و دولت کے حصول کے لیے کسی ایسے طریقے کو اپنانے کی اجازت نہیں دی جس میں ایک فرد کے نفع کا دار و مدار دوسرے کے نقصان یا مجبوری پر ہو یا وہ دوسرے کی معاشی بدحالی کا باعث بنے جس سے عوام مفلس سے مفلس تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا جائے۔ اس لیے سود و غصب، چوری، ڈاکہ، رشوت، جوا، ماپ تول میں کمی، سٹہ اور لاٹری ایسے حصولِ سرمایہ کے تمام ذرائع ناجائز قرار پائے، اس طرح کے طریقے اپنا کر دولت کمانے والے ممکن ہے نفس و شیطان کے اغوا سے سب کچھ جائز سمجھتے ہوں، مگر ایک کلمہ گو کو ایسا کرنا یا سب کچھ جائز ہے، کہہ کر سب کچھ کر گزرنا زیب نہیں

دیتا، یہ اسلام و ایمان کے تقاضوں کے سراسر منافی ہے ؎

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا

انفرادی معیشت اسلام انفرادی معیشت پر بہت زور دیتا ہے اور ہر تندرست و توانا و صحیح العقل لائق محنت مرد کو اس بات کی ذمہ داری سونپتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر نہ صرف اپنے معاش و رزق کی جستجو کرے، بلکہ اپنے آپ کو معاشرے کے ضعیف و ناتواں اور معذور لوگوں کی معاونت کا بھی اہل بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الید العلیٰ خیر من الید السفلیٰ (صحیح بخاری)	یعنی اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) سے بہتر ہے۔

اور بہتر اس لیے ہے کہ انفرادی معیشت کے استحکام پر ہی اجتماعی معیشت کا استحکام موقوف ہے ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اس وقت بہتر ہے جبکہ وہ اپنی ذات کے لیے لیتا ہو اور اگر وہ دین کے لیے یا دوسرے مستحق کے لیے لیتا ہو تو اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ علماء کرام مالداروں سے دین کے لیے لے کر خرچ کرتے ہیں۔ بہرحال انفرادی معیشت کو اہمیت حاصل ہے۔ سورۂ جمعہ میں ہے:

وابتغوا من فضل اللہ	کہ زمین میں پھیل جاؤ اور رزق کی تلاش کرو

اور حدیث شریف میں ہے:

۱- طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (طبرانی) یعنی رزق حلال کی تلاش کرنا فریضہ کے بعد فریضہ ہے۔

۲- طلب الحلال واجب علی کل مسلم (دیلمی) کہ ہر مسلمان پر طلب رزق حلال واجب ہے۔

۳- طلب الحلال جہاد (القضاعی و ابونعیم) طلب حلال جہاد ہے۔

اوردہ الثلاثۃ فی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۵۳) ان کی شرح میں امام علامہ علی عزیزی (م ۱۰۷۰ھ) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

طلب الکسب الحلال لمؤنۃ النفس والعیال فریضۃ بعد الایمان والصلوٰۃ او بعد جمیع ما فرض اللہ فطلب ما یحتاجہ لنفسہ وعیالہ واجب دون ما زاد علی الکفایۃ ثوابہ کثواب الجہاد (السراج المنیر ج ۲، ص ۴۱۲)

یعنی اپنے اور کنبے کے لیے حلال کمائی کی تلاش کرنا، ایمان اور نماز یا جمیع فرائض الٰہیہ کے بعد ایک فریضہ ہے؛ لہٰذا اپنی اور اپنے کنبے کی ضرورت کی حد تک تلاش رزق فرض عین اور اس سے زائد فرض کفایہ اور اس کا ثواب جہاد کے برابر ہے۔

رزق حلال کی تلاش نفلی عبادت سے بہتر ہے

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ قدرِ کفایت اور حدِ ضرورت سے زیادہ اس نیت سے کمانا کہ فقراء و مساکین یا اپنے قریبی رشتہ داروں کی امداد و اعانت یا دینی و رفاہی کاموں میں مدد کرے گا، باعث اجر و ثواب ہے۔ فانہ افضل من التخلی لنفل العبادۃ (ج ۵ ص ۳۴۹ طبع مصر) کہ یہ نفلی عبادت سے بھی بہتر ہے۔

مساجد اور خانقاہوں میں گوشہ نشین لوگوں سے رزق حلال کمانے والے افضل ہیں

اسی فتاویٰ میں ہے جو لوگ مساجد اور خانقاہوں میں (پیر و فقیر بن کر) بیٹھ جاتے ہیں اور گزراوقات کے لیے کچھ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو متوکل بتاتے ہیں (ان سے رزق حلال کمانے والے بدرجہا بہتر ہیں، یہ کیسے متوکل ہیں) حالانکہ ان کی نگاہیں منتظر رہتی ہیں کہ کوئی ہمیں دے جائے، وہ متوکل نہیں۔ اس سے اچھا یہ تھا کہ کچھ کماتے جس سے گزراوقات کرتے۔ (فتاویٰ عالمگیری، ج ۶، صـ ۳۴۹)

تیرے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

حدیث میں ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں (اس طرح کی) گوشہ نشینی کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیری مریدی کو پیشہ بنانا جائز نہیں

اسی طرح آجکل بہت سے لوگوں نے پیری مریدی کو پیشہ بنالیا ہے مریدوں میں دورے کرتے اور ان سے رقمیں بٹورتے ہیں جسے نذرانے وغیرہ کا نام دیتے ہیں اور ان ہی سے بہت سے ایسے ہیں جو جھوٹ اور فریب سے بھی کام لیتے ہیں، یہ ناجائز ہے (بہار شریعت ج ۱۶، صـ ۲۱۸) باستثناء "مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَهُمْ اَقَلُّ قَلِیْلٍ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ"

بھیک کی ممانعت

اسلام کے معاشی نظام نے چونکہ ہر تندرست و عقلمند کو رزقِ حلال کمانے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، اس لیے انہیں بھیک مانگنے سے بھی منع کیا (الا بہ وقت حاجتِ شدیدہ و بہ مجبوری و معذوری) اور بلا ضرورتِ شدیدہ اپنے لیے سوال کرنا منع ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ لَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ لَا يَحِلُّ لَهُ السُّؤَالُ وَمَا جَمَعَ السَّائِلُ — اور جس کے پاس ایک دن کا خرچ ہو، اسے بھیک مانگنا حرام ہے اور اس

مِنَ السَّمَانِ فَهُوَ خَبِیْثٌ۔ (عالمگیری ج ۵۔ ص۳۴۵) — کے باوجود جو مانگ کر جمع کرتے ہیں تو وہ حرام ہے۔

اس طرح ناجائز ذرائع مثلاً رو پیٹ یا گا بجا کر کمائی کرنے سے بھی منع کیا اور ایسی کمائی کو حرام قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ الاختیار اور عالمگیری میں ہے۔

کان المال بمقابلۃ المعصیۃ فکان الاخذ معصیۃ کالغناء والنوح۔ (عالمگیری۔ ج ۵۔ ص۳۴۹، الاختیار ج ۲ ص۱۶) — کہ رونے دھونے اور گانا بجانے کی اُجرت چونکہ معصیت کا معاوضہ ہے، اس لیے اس کا دینا اور لینا دونوں ہی ناجائز ہیں۔

کیونکہ ان پیشوں میں بیچارے سادہ لوح مسلمانوں پر معاشی بوجھ پڑتا ہے اور ایسا کرنے والے جہاں دوسروں کے لیے بوجھ بنتے ہیں، وہاں اپنی خداداد جسمانی اور ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ضائع کر کے بھی گنہگار ٹھیرتے ہیں۔ بہرصورت اسلام میں رزق حلال کی تلاش نہ صرف اہم کام ہے، بلکہ گناہوں کا کفارہ بھی ہے؛ چنانچہ طبرانی نے اوسط، ابونعیم نے حلیہ اور خطیب نے التلخیص المتشابہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من الذنوب ذنوب لا یکفرھا الا الھم بطلب المعیشۃ۔ (احیاء العلوم للغزالی ج ۲۔ ص۳۳) — کہ کچھ ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلب معاش میں جدوجہد اور فکر کرنا ہی ہے۔

اسی طرح ابویعلی اپنی مسند، طبرانی، کبیر اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اطلبوا الرزق فی خبایا الارض (الجامع الصغیر ج ۱۔ ص۴۳) — کہ اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں (کھیتی باڑی وغیرہ) میں تلاش کرو۔

اس حدیث کی شرح میں امام علی عزیزی علیہ الرحمہ سراجِ منیر میں فرماتے ہیں:

ای التمسوہ فی الحرث بنحو زرع وغرس فان الارض تخرج ما فیہا من النبات الذی بہ قوام الحیوان (الی ان قال) و فیہ انّ طلب الرزق مشروع بل ربما دخل بعض الطلب فی حد الفرض و ذالك لا یتا فی التوکل لان الرزق من اللہ لکنہٗ سببٌ عادیٌ للطلب۔

(سراج منیر۔ ج ۱۔ ص ۲۳۱)

یعنی تم رزق کو بونے میں تلاش کرو کھیتی کرکے اور درخت لگاکر یہ زمین اپنے اندر کی چیزیں باہر نکالتی ہے یعنی نبات کہ جس سے جانوروں کی خوراک ہے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق حلال کی تلاش جائز ہے بلکہ بسا اوقات رزقِ حلال کی تلاش حد فرض میں داخل ہوجاتی ہے اور رزق کی تلاش توکل کے خلاف نہیں، کیونکہ رزق تو اللہ کی طرف سے ہے، لیکن تلاش طلب رزق کا سبب عادی ہے۔

علامہ عزیزی کی تفسیر سے مندرجہ ذیل ایمان افروز مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

۱۔ تلاشِ رزق کا عادی ذریعہ مندرجہ ذیل ایمان افروز

۱۔ تلاشِ رزق کا عادی ذریعہ کھیتی باڑی کرنا اور آمدنی پیدا کرنے والے پودے لگانا ہے۔

۲۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی روزی کا ذریعہ بنایا ہے۔

۳۔ رزق کی جستجو جائز بلکہ بسا اوقات فرض ہوجاتی ہے جبکہ اپنے کنبے کی ذمہ داری عائد ہوجائے۔

۴۔ تلاشِ رزق توکل کے خلاف نہیں۔

۵۔ تلاشِ رزق طلب رزق کا سبب عادی ہے اور یہ جہان اسباب کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔

"تلاش رزق ازاں دادند ما را!
کہ باشد پیشہ گشودن راہبے را"

تلاشِ رزق اتنا کمانا فرض ہے جو اپنے اندر اور اہل و عیال اور جن کی کفالت ذمہ میں ہے، ان کے خرچہ اور ادائیگی قرض کے لیے کفایت کر سکے۔ اس کے بعد اجازت ہے کہ اتنے پر ہی بس کرے یا اپنے اور اہل وعیال کے لیے کچھ پس انداز و پس ماندہ رکھنے کے لیے بھی جدو جہد کرے (بلکہ آج کے نازک دور میں یہ افضل ہے) نیز ماں باپ تنگدست و محتاج ہوں، تو فرض ہے کہ اپنی کمائی سے اس قدر ان کی امداد کی جائے جس سے ان کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ - ص ۳۴۹ طبع مصر)

گویا اسلام کا اقتصادی نظام کسی فرد کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود عیشی میں اپنے ماں باپ اور زیرِ کفالت عزیزوں کی پروا نہ کرے، بلکہ ان کی خبرگیری فرائض میں شامل ہے

نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بے گانہ خو! رہنا

عیاشی کی ممانعت اسلام کے معاشی نظام میں اسراف و تبذیر اور عیاشی سے بڑی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی گئی ہے کہ اس سے بالواسطہ (یعنی انفرادی معیشت کے کمزور پڑنے سے) اجتماعی معیشت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ مقدارِ خرچ میں تجاوز اسراف اور مواقع میں (بے جا) خرچ تبذیر ہے اور اسی طرح بخل سے بچنے کی تاکید بھی آتی ہے۔ بخل سے پرہیز اور اسراف و تبذیر سے گریز کا نام اقتصاد و میانہ روی ہے جو معیشت کی ترقی میں ایک اہم چیز ہے۔

اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنے کا حدیث میں واضح حکم وارد ہے، چنانچہ مروی ہے الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ کہ نفقہ میں میانہ روی نصفِ معیشت ہے۔ اگر اسراف و تبذیر کا سلسلہ بند ہو جائے اور

اوپر کی سطح سے لے کر نچلی سطح تک کے سب افراد میانہ روی اختیار کر لیں، تو ملک بھر کی معیشت پر سے تقریباً نصف بوجھ کم ہو جائے، پھر میانہ روی کی ابتدا سربراہ مملکت سے ہو، سربراہ اگر فضول خرچ اور عیّاش ہو تو اس کا عملہ اور ماتحت افسرانِ اعلیٰ وادنیٰ بھی فضول خرچی اور عیّاشی میں مبتلا ہو جائیں گے، مشہور ہے الناس علیٰ دین ملوکھم کہ لوگ اپنے سربراہ کی روش اپناتے ہیں۔ سربراہِ مملکت میں اگر ملک کی معاشی و اقتصادی ترقی کا کوئی سوز و گداز نہ ہو تو ملکی مشینری کے دوسرے کل پرزے بھی اس ملی و ملکی جذبۂ ہمدردی سے قطعاً ناآشنا رہیں گے ؎

شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا!
تیرے پروانے بھی اس لذت سے ہی خالی رہے

وصیّت پر پابندی

اسلام کے نظام کو لوگوں کی معاشی بہتری جس حد تک مطلوب ہے، اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گی۔ باوجودیکہ اسلام کسی کی ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کا روادار نہیں، تاہم جہاں ذاتی ملکیت کے مقابلے میں اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں کی مشترکہ منفعت کو خطرہ لاحق ہوا، وہاں اسلام نے کسی حد تک انفرادی اور ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کو روا رکھتے، بلکہ ضروری گردانتے ہوئے اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں کے مشترکہ مفاد کی حفاظت کی ہے، اس کی نظیر وصیّت پر پابندی ہے؛ چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیّت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا کُل مال فلاں شخص کو دے دیا جائے، تو اس کی وصیّت میں اس طرح کی ترمیم ضروری ہوگی کہ کفن و دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد اس کی جائداد کا تیسرا حصہ موصیٰ لہٗ (جس کے حق میں وصیّت کی گئی) کو دے کر باقی دو حصے اس متوفیٰ (وفات یافتہ) کے حقدار وارثوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور یہ اس لیے کہ اس کا کل مال وجہ معقول اور ضرورت شرعیہ کے بغیر کسی ایک

شخص کے ہاتھ میں نہ چلا جائے، بلکہ معاشرے کے دوسرے حقداروں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے۔ یہ بھی ایک طرح سے مستحقین کے حقوق کا تحفظ اور دولت کو مختلف افراد کے ہاتھوں میں متحرک رکھنے کی کوشش ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم رکھیں اور تہائی سے زیادہ کی وصیّت نہ کریں ؎

خم ہے سرِ تسلیم میرا آپ کے آگے !!
پیری ہے تواضع کے سبب میری جوانی

اولاد میں حکمِ مساوات

اسلام کے نظامِ معیشت میں اپنی اولاد کو ہبہ و بخشش کے سلسلے میں بھی خصوصی ہدایات ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دینا چاہتا ہے، تو سب کو دے، بلا وجہ معقول و بلا سبب شرعی کسی کو محروم نہ رکھے۔ صحیح مسلم میں ہے:

حضرت نعمان بشیر فرماتے ہیں کہ ان کے والد انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کی کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کے طور پر دے دیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تو نے اپنے ہر بچے کو اسی طرح ایک ایک غلام کا ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا فارجعہ کہ اس سے رجوع کرو۔ ایک روایت میں ہے فارددہ کہ اسے واپس کرلو۔ ایک اور روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: اتقوا اللہ واعدلوا فی اولادکم فرجع ابی فرد تلک الصدقۃ کہ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو، تو میرے باپ نے وہ عطیہ مجھ سے واپس کرلیا۔ ایک اور روایت میں ہے فرمایا: فلا تشھدنی اذا فانی لا اشھد علیٰ جور تو اب مجھے گواہ نہ بناؤ، میں ظلم پر گواہ بننا نہیں چاہتا (وغیر ذالک من اختلاف الالفاظ صحیح مسلم۔ ج ۲۔ ص۳۷)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وفی الحدیث انہ ینبغی ان یسوّی بین الاولاد و فی الہبہ ویہب لکل واحد منہم مثل الاخر ولا یفضل و یسوّی بین الذکر والانثیٰ (شرح نووی ج ۲۔ ص ۳۷ وھکذا فی الدر المختار والشامی)

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ میں اولاد کے درمیان برابری کرنا مناسب ہے اور ہر ایک کو دوسرے کے برابر حقوق دے اور کسی کو ترجیح نہ دے۔ مرد و عورت کو برابر دے۔

ترجیحی سلوک کی صورت

بعض اولاد کے ساتھ محبت زیادہ ہو اور بعض کے ساتھ کم یہ کوئی ملامت کی چیز نہیں، کیونکہ یہ فعل غیر اختیاری ہے اور عطیہ و بخشش میں اگر یہ ارادہ ہو کہ بعض کو ضرر پہنچائے تو یہ درست نہیں، بلکہ سب میں برابری کرے، کم و بیش نہ کرے، ایسا کرنا مکروہ و غیر مستحسن ہے۔ ہاں اگر اولاد میں کوئی دینی بزرگی رکھتا ہو، مثلاً عالم دین ہو جو علم دین کی خدمت میں مصروف یا عبادت و ریاضت میں مشغول ہے اسے اگر دوسروں کی نسبت زیادہ دیدے اور ان لڑکوں کو جو دنیا کے کام و دھندوں میں لگے ہوئے ہیں، اگر تھوڑا دے، تو بلا شبہ مستحسن ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ہامش ہندیہ۔ ج ۳۔ ص ۲۷۹)

شریعت نے صورتِ مذکورہ میں جو نیک اولاد کے حق میں ترجیحی سلوک کی اجازت دی ہے۔ اس میں ظلم و زیادتی ناحق نہیں، بلکہ یہ عین حق ہے اور سراپا ثواب۔ اس میں جہاں دوسری اولاد کو جو متا بلتہ نیک صالح نہیں ہے۔ نیک و صالح ہونے کا احساس شوق ہوگا اور وہ کسی نہ کسی خیال سے رو بہ اصلاح ہوں گے۔ وہاں والد کو دین کو غیر دین پر ترجیح دینے کا ثواب و اجر بھی ہوگا اور اس نیک بچے کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ اس میں اور بھی کئی ایک رموز و اسرار ہیں، جنہیں اہل رموز و اسرار علماء جانتے ہیں۔ یہ دنیا کے اہل حکمت دانش کیا جانیں ۔

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہے یاں اہلِ حق کی تدبیریں

ہر فرد کو ضروریاتِ زندگی مفت حاصل ہوں

سابقہ تقریرات کی روشنی میں بلاشبہ یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حقوق کے مقابلے میں اجتماعی اور ملی حقوق کا زیادہ تحفظ کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا بڑی شدت سے اور اوّلین طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہر فرد کو خوراک، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی مناسب سہولتیں مفت حاصل ہوں اور اس کی ذمہ داری اور اخراجات کا بوجھ بیت المال پر ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ بیت المال کبھی خالی ہو جائے، تو ترغیب و ترہیب کے ذریعے دولت مندوں کو ذمہ داری میں شریک کیا جائے گا، انہیں غریبوں، ناداروں اور حاجت مندوں کی حالتِ زار پر خاموش تماشائی بنے رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف بھی ملاحظہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوٰی الزَّکٰوۃِ کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔
یہ ارشاد فرماکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ کریمہ لیس البر ان تولوا وجوہکم قبل المشرق والمغرب کی آخر تک تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ ج ۱۔ ص ۱۶۹)

کیونکہ اس میں ہے و اٰتی المال علٰی حبّہٖ (اس کی محبت پر مال خرچ کرے) اور اسی آیت میں آگے ہے و اٰتی الزکوٰۃ (اور زکوٰۃ دے) اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خدا کے لیے غریبوں کا حق ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

کہ مانگنے والا آ جاتا ہے، اسے خالی نہ لوٹانا، قرض مانگنے والے کو قرض دینا، گھریلو استعمال کی چیزیں یعنی آگ، پانی، نمک، مرچ مصالحہ اور آٹا و برتن وغیرہ جو عام طور پر ایک دوسرے کے گھر سے مانگ لی جاتی ہیں سب

شامل ہیں۔ (مرقاۃ ج ۴۔ صـ۲۱۸)

اجتماعی حقوق کس ترتیب سے ادا ہوں

اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اسلام کے معاشی واقتصادی نظام نے ہماری رہنمائی کردی ہے؛ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ وحکیم بن حزام سے اور امام مسلم اپنی صحیح میں صرف حکیم بن حزام سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وابدء بمن تعول (مشکوۃ ج ۱ صـ۱۷۰) کہ خرچ کی ابتدا اس سے کرو جس کے تم کفیل ہو۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

ای بمن تلزمك نفقته (مرقاۃ ج ۴ صـ۲۱۸)

یعنی اپنے بعد جب اجتماعی حقوق کے ادا کرنے کی نوبت آئے، تو سب سے پہلے اس اس کا حق ادا کرو جس کے تم کفیل ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مردانگی یہ ہے کہ انسان دوسروں پر بوجھ نہ ہو، بلکہ اپنے اور اپنے ساتھ اہل وعیال کا آپ ہی کفیل ہو؛ کیونکہ جب اجتماعیت کو اپنے نورِ اکتساب سے مستنیر کرنے کی نوبت آئے، تو سب سے پہلے اس کے اپنے اہل وعیال ہی اس کی صلاحیتوں سے مستنیر ہوں ؎

تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

اس اجمال کی تفصیل اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کس پر خرچ کروں) فرمایا انفقہ علی نفسك کہ اپنی ذات پر خرچ کر (یہ لنفسك علیك حق کے تحت تعلیم ہے) اس نے عرض کی کہ میرے پاس دوسرا دینار ہے فرمایا اپنے خادم پر خرچ کر پھر عرض کی کہ میرے پاس تیسرا دینار ہے فرمایا اس کو بیوی پر خرچ کر۔ عرض کی میرے پاس چوتھا دینار ہے فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر عرض کی میرے پاس پانچواں

دینا ہے فرمایا انت اعلم (رواہ ابوداؤد ونسائی۔ مشکوٰۃ ج ۱۔ ص۱۷۱) کہ تو خوب جانتا ہے۔ یعنی اس کے بعد تیرے اعزہ و اقارب میں جو مستحق امداد ہیں، وہ تجھے خوب معلوم ہیں، ان پر خرچ کرو (مرقاۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (ان حقوق کی ادائیگی کے بعد جو فرائض کا درجہ رکھتے ہیں) صدقات نافلہ (یعنی ثانوی حقوق کی ادائیگی) کا نمبر اپنا اور اپنے بچوں گھر والوں اور خادموں کے مستقبل کی ضروریات کے لیے مناسب انتظام کرنے کے بعد آتا ہے۔ جو زائد ہو اسے جمع کر کے رکھنے کی بجائے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجات و ضروریات میں خرچ کرنا چاہیئے، اگرچہ زکوٰۃ بھی ادا کر چکے ہیں۔

قرآن کریم میں قل العفو سے یہی مراد ہے۔ اگر ملک کے دولت مند اور صاحب مال لوگ قل العفو کی یہ مراد سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں، تو ملک سے افلاس و غربت کا یکسر خاتمہ ہو جائے ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں — اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرف قل العفو میں ہے پوشیدہ اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: وفی اموالھم حق للسائل والمحروم کہ دولت مندوں کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔ (ذاریات و معارج)

نیز ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاضل مال کو ضرورت مندوں میں خرچ کرنا اسے جمع کر کے رکھنے سے بہتر ہے اور اپنی ضروریات میں کام کرنے کی حد تک رکھ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اور خرچ کرتے وقت ان پر پہلے خرچ کرو جو تمہاری کفالت میں ہوں اور خرچ کرنے والا اپنے لیے مانگنے والے سے بہتر ہے۔

(ترمذی۔ ج ۲۔ ص۵۷)

لفظِ حق سے تعبیر کا فائدہ لفظِ حق دونوں کے بارے میں وارد ہوا ہے اور یہاں لفظِ حق سے تعبیر کا فائدہ یہ ہے کہ سرمایہ دار اور دولت مندوں کو معلوم ہو جائے کہ استحقاقِ دولت کی بنیاد صرف عملِ پیدائش دولت ہی نہیں، بلکہ افلاس و غربت بھی استحقاقِ دولت کی بنیاد ہے؛ لہٰذا مفلس و نادار افراد بھی ٹھیک اسی طرح دولت کے مستحق ہیں جس طرح اوّلین مالک مگر فرق صرف اوّلیت اور ثانویت کا ہے، گویا دولت کے مستحق دو قسم کے لوگ ہوئے۔ ایک تو وہ جو کسی پیداوار کے عملِ پیدائش میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہیں عملِ پیدائش میں کسی کردار کا مظاہرہ کیے بغیر محض ان کی غربت و افلاس کی وجہ سے دولت میں حصہ دار و شریک اور حقدار بنایا گیا ہے۔

ضرورت مندوں کی دو قسمیں ہیں کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو اپنی ضرورت کے لیے مانگنے سے نہیں شرماتے وہ سائل ہیں اور دوسرے وہ ضرورت مند بھی ہیں جو سوال کرتے شرماتے ہیں، جبکہ وہ شدید ضرورت مند اور معاشی مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہیں، مگر ان کا خود دار ضمیر انہیں دستِ سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے، تو ایسے لوگوں کی ہمیں خود تلاش کرنی چاہیے اور سوالیوں کی نسبت ان کی فکر زیادہ ہونی چاہیے کہ وہ ضرورت مند ہونے ہوئے بھی اظہارِ حاجت نہیں کرتے، البتہ ان کا دل فریاد سے معمور ہوتا ہے اور ان کی شکایت و حاجت زبان سے نہیں، آہِ سرد سے محسوس کی جا سکتی ہے ؏

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے
سینۂ سوزاں تیرا فریاد سے معمور ہے

ایک عجیب واقعہ یہاں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسے ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر

فرماتے ہیں : ہمارے شیخ عارف باللہ علی متقی علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ ایک صالح آدمی اپنی حلال کمائی کا ایک حصّہ خدا کے لیے بانٹ دیتے اور ایک حصّہ اپنے کام میں لاتے اور بقیہ ایک حصّہ اپنے کاروبار میں لگا دیتے۔ ایک روز ان کے پاس ایک مالدار شخص آیا اور کہا کہ میں کسی غریب کی امداد کرنا چاہتا ہوں کہ کسی مستحق کی نشان دہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ مستحق کے ہاتھ میں حلال کمائی والے کا ہی مال جاتا ہے۔ جب اس نے مجبور کیا، تو آپ نے فرمایا کہ تم چلے جاؤ مانگنے والے پھرتے ہوں گے جس کے بارے میں تمہارا دل مانے اور مطمئن ہو، اسے دے دو، وہ چلا گیا۔ تو اسے ایک نابینا معمر منگتا ملا، اس نے اس کو جو دینا تھا دے دیا اور چلا آیا پھر دوسرے روز اس مالدار کا اس نابینے پر سے گذر ہوا، تو وہ نابینا اپنے ساتھی کو بتا رہا تھا کہ گزشتہ کل مجھے مالدار نے اتنی رقم دی کہ میرا کام بن گیا، میں نے شراب پی اور فلاں گانے والی عورت کے ساتھ شب بسر کی۔

مالدار نے سنا، تو اسے صدمہ ہوا کہ اس کے مال کو اس نابینا منگتے نے کہاں بیہودگی میں خرچ کیا، وہ اس صالح کے پاس آیا اور اسے واقعہ بتایا، تو اس صالح نے اپنی حلال کمائی سے مالدار کو کچھ دے کر کہا کہ جاؤ اور سب سے پہلے جس آدمی پر تمہاری نظر پڑے، یہ رقم فی سبیل اللہ اسے دے دو۔

چنانچہ وہ چلا گیا اور سب سے پہلے جس پر اس کی نظر پڑی، وہ ایک خوش لباس شخص تھا، معلوم ہوتا تھا کہ یہ دولت مند ہے، اسے دینے کو مالدار کا دل نہیں چاہتا تھا؛ تاہم صالح مذکور کے حکم کی وجہ سے اس نے وہ رقم اسی شخص کو دے دی۔ اس سفید پوش نے وہ رقم لی اور اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا اور ایک ویران مکان میں داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل کر چلا گیا۔ یہ مالدار بھی اس کے تعاقب میں رہا تاکہ یہ دیکھے کہ اس نے ویرانے میں جا کر کیا کیا ہے، اس نے جا کر دیکھا کہ وہاں ایک مرا ہوا کبوتر پڑا ہے۔ اس مالدار نے اس سفید پوش کو قسم دے کر کہا کہ بتاؤ یہ کیا راز ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے بچے بھوک سے بلک رہے تھے اور مانگنے کو ضمیر

گوارا نہ کرتا تھا، یہی مردہ کبوتر ملا تھا، میں اسے لے جا رہا تھا کہ اسے پکاؤں اور بچوں کو کھلا کر ان کی جان بچاؤں، راستے میں آپ ملے اور فی سبیل اللہ کچھ رقم دے دی، اب چونکہ مجھے حلال مل گیا، اس لیے اس کبوتر کو واپس اس ویرانے میں پھینک کر گھر جا رہا ہوں تاکہ اس رقم سے کچھ حلال خرید دں اور بچوں کو کھلاؤں، اس کے بعد اس مالدار کو اس صالح کی بات کا یقین ہو گیا (مرقاۃ ۔ ج ۴ ۔ ص ۱۹۹/۲۰۰)

اس لیے اہلِ دولت اور صاحبِ ثروت لوگوں کو ایسے باضمیر اور سفید پوش اہلِ فقر کا بھی خیال رکھنا چاہیے، اس بات کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے کہ گھر پر مانگنے والے آئیں گے تو انہیں دے دوں گا، بلکہ بے منگتے ضرورت مندوں کی خود جا کر جستجو کرنا اور ظاہر حال سے نہیں، کچھ دل کی بصیرت اور دوسرے قرائن و شواہد سے بھی ان کی خبر رکھنا چاہیے ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب !
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

حضرتِ عمر کا رعایا کی خوشحالی کے لیے فکرمند ہونا

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا رعایا کی زندگی کو خوشحال بنانے کے لیے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کے جذبے سے راتوں کو گشت کرنا ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے۔ تاریخ طبری میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راتوں میں گشت کرنے کے سلسلے کو وسعت دینے کے پروگرام کو مرتب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا، تو انشاء اللہ راتوں کا گشت ساری مملکت میں پورا سال کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود بعض مجبوریوں کی بنا پر بعض لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہوں گے ؛

فاسیر الی الشام فاقیم بہا شہرین ثم اسیر الی الجزیرۃ — تو میں شام جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، اور وہاں راتوں کا گشت کروں گا۔

فاقیم بہا شہرین ثم اسیر الی مصر فاقیم بہا شہرین ثم اسیر الی البحرین فاقیم بہا شہرین ثم اسیر الی الکوفۃ فاقیم بہا شہرین ثم اسیر الی البصرۃ فاقیم بہا شہرین واللہ لنعم الحول ھذا۔

(تاریخ الطبری۔ ج ۵۔ ص۱۵۱)

پھر جزیرے جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر مصر جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر بحرین جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر کوفے جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر بصرہ جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا (اور یہ پورا سال میری راتوں کو گشت کا سال ہوگا۔ قسم بخدا یہ اچھا سال ہوگا۔

اشہر مشاہیرِ اسلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو تحریر فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ قوم کے نگران اور چرواہے ہوں اور اس نے انہیں اس لیے حکمران نہیں بنایا کہ وہ قوم کو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبا دیں۔

امام ابونعیم حلیہ میں فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین اپنے زمانۂ خلافت میں اس تمام سونے اور چاندی و دیگر اموال کو جو بیت المال میں جمع ہو جاتا حاجت مندوں اور مستحقوں میں بانٹ دیتے اور بیت المال میں کچھ باقی نہ چھوڑتے، پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کر کے فرماتے کہ یہ زمین اس بات کی گواہی دے گی کہ ہم نے اللہ کے بندوں کے لیے جو کچھ جمع کیا تھا وہ سب انہیں بانٹ دیا ہے

شاہدِ قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا نہ ہو
سر میں جز ہمدردیٔ انساں کوئی سودا نہ ہو

الغرض اسلام کے نظامِ حکومت سے ایک ایسا اقتصادی و معاشی نظام معرضِ

وجود میں آتا ہے کہ صالح و موزوں ہونے کی بدولت امت کے ہر ہر فرد کے خوشحال و فارغ البال ہونے کی پوری ضمانت دیتا ہے۔

رعیت کے لیے نقصان کا معاوضہ

اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اگر رعیت میں سے کسی کا نقصان ہو جائے تو حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے اسے معاوضہ دیا جاتا ہے؛ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے۔

اتیٰ عمر رجل فقال یا امیر المومنین زرعت زرعًا فمر بہ جیش من اھل الشام فافسدہ قال فعوضہ عشرۃ الاف (ص۱۱۹)

یعنی ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی اے امیر المومنین میں نے کھیت بویا، اہلِ شام میں سے ایک لشکر کا وہاں سے گزر ہوا، تو میرا کھیت برباد ہو گیا۔ آپ نے اسے دس ہزار روپیہ معاوضہ دیا۔

اس واقعہ سے اسلام کے معاشی نظام کی خوبی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے عیسائیت تک کے منکرین نے اسے ایک بے مثال معاشی نظام قرار دیا۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

سربراہِ مملکت کو مہنگائی کی فکر

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عوام کی معاشی تکلیف کی فکر اس حد تک ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں اپنی تکلیف کو بھول جاتے ہیں: چنانچہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا، تو اس اثناء میں کسی دور کے علاقے سے ایک نمائندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سب سے پہلے یہی سوال کیا کیف اسعارھم؟ قال قلت ارخص اسعار (تاریخ الطبری۔ ج ۵۔ ص۱۱) کہ ان کے ہاں عام چیزوں کے نرخ کیسے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ وہاں چیزیں بہت سستی ہیں۔ آپ نے اس پر اطمینان کا سانس لیا، معلوم

ہوا کہ سربراہِ مملکت لوگوں کی معاشی خوشحالی کا ذمہ دار ہے۔ حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسے سراپا درد و فکر سے ہی عالمِ اسلام میں معاشی خوشحالی کا دور لوٹ سکتا ہے ؎

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

اسلام کے مالیاتی نظام پر ایک نظر

اسلام کے معاشی نظام کے بروئے کار لانے کو مملکتِ اسلامیہ کے لیے سرکاری خزانے کا وجود ضروری ہے جسے بیت المال کہا جاتا ہے۔ ایک بیت المال مرکزی ہوتا ہے، دوسرے صوبائی اور تیسرے ضلعی۔ اگر ضرورت ہو تو ایک ضلع میں متعدد بیت المال بھی قائم کیے جا سکتے ہیں جس سے عوام کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ اب ہم اختصار کے ساتھ بیت المال کے ذرائع آمد اور ساتھ ہی اس کے مصارف کے سلسلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں۔

ذرائع آمد (۱) زکوٰۃ (۲) عشر (۳) خراج (۴) جزیہ (۵) وقف (۶) کراء الارض (سرکاری زمین پر لگان) (۷) عشور (کسٹم ڈیوٹی) (۸) ضرائب (ہنگامی ٹیکس) (۹) فیئے (بغیر جنگ کے بھاگ جانے والے کا سامان) (۱۰) خمس (۱۱) صدقات (۱۲) اموال فاضلہ (متفرق آمدنیاں) (۱۳) کانیں (۱۴) دفینے (۱۵) سواری ٹیکس (۱۶) ذرائع مواصلات (۱۷) برقیات (۱۸) سیاحت و زیارت (۱۹) تجارت (۲۰) صنعت و حرفت۔

مصارف (۱) مصارفِ ثمانیہ (آٹھ قسم کے ضرورت مند جن کا ذکر قرآن میں بیان ہے) (۲) تنخواہیں (۳) وظائف (۴) رفاہِ عامہ (۵) شعبہ ہائے حکومت یعنی ہسپتال، سکول و مدارس، سڑکیں، پل اور مسافر خانے وغیرہا کے متفرق مصارف۔ اسلامی نظام یا نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے بعد غیر ملکی قرضوں کی قطعاً ضرورت نہ ہوگی کیونکہ ذرائع آمد مصارف سے کہیں زیادہ ہیں۔ نیز ذرائع آمد میں سے اگر سواری ٹیکس معاف کر دیا جائے جیسا کہ اسلام کے نظامِ معیشت و آسودگی کا تقاضا ہے، تو بہتر ہوگا اسلامی سلطنت

کو خدا کا فضل کافی ہے، کہیں سے قرضہ کی بھیک مانگنے کی حاجت ہرگز نہ ہوگی۔ غرضیکہ ذرائع آمد کے مقابلے میں مصارف کم ہیں، اس لیے اسلام کے نظامِ معیشت میں ٹیکسوں کی بھرمار نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ یہ نظام لوگوں کو حیاتِ حقیقیہ کے ذوق سے آشنا کرتا ہے ؎

ہست دینِ مصطفٰے دینِ حیات!
شرحِ او تفسیرِ آئینِ حیات!

زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام اور مالیاتی پروگرام کے سلسلے میں زکوٰۃ ایک اہم ذریعۂ آمد ہے جو نماز کے بعد ہر صاحبِ نصاب عاقل و بالغ مسلمان کے ذمّہ واجب الادا ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نشوونما کے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہوکر برکتوں سے نشوونما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی بندے کو اس بات کا احساس بھی دلاتی ہے کہ اس کے مال کا مالکِ حقیقی خدا تعالیٰ ہے اور اس کی حیثیت صرف خازن و امین کی ہے اور اس امانت کو رضاکارانہ طور پر ادا کرنا از حد ضروری ہے ؎

کرتی ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتی ہے امیں

فلسفۂ زکوٰۃ اسلام میں اہلِ دولت پر جو مالی حقوق عائد کیے گئے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ، عشر اور خمس وغیرہ سب میں یہی حکمت و فلسفہ کارفرما ہے کہ ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز و محدود ہوکر نہ رہ جائے: چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃً بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ (حشر آیت ۷) کہ ہم نے دولت مندوں پر زکوٰۃ و عشر و صدقات و خیرات ایسے مالی حقوق اس لیے عائد کیے ہیں کہ مال چند اغنیاء ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کی تحریک و گردش کا دائرہ اس طرح وسیع و عریض ہو کہ پورے ملک و ملت کے افراد اس کی تقسیم سے مستفید و متمتع ہوں۔ آیتِ مذکورہ کے جملہ مسطورہ بالا نے اسلام کے نظامِ معیشت کی روح و خلاصہ کو بڑی جامعیت

کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت کے برعکس سرمایہ دارانہ معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے جس سے ملک کے چند افراد ازحد متمول و مالدار بن جاتے ہیں اور ملک و قوم کے باقی افراد تنگ دستی و معاشی بدحالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسلام نے ایسی سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی ہے اور اسلامی معاشرہ کو اس طرح کی شکل عطا کی کہ اس پر مہلک و تباہ کن سرمایہ داری کے دھبے کبھی بھی پڑنے نہیں پاتے اور اسلامی معاشرہ میں سرمایہ داری پنپ ہی نہیں سکتی اور دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع و مرتکز ہونے سے روکا اور اس سلسلے میں ایسے حفاظتی بند باندھے کہ اس سے دولت نہ تو چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی افادیت چند افراد تک محدود رہ سکتی ہے، بلکہ اس کی حرکت و گردش تمام افرادِ ملک و ملت میں جاری رہتی ہے۔ لہٰذا اس میں نہ تو امیر، امیر تر اور نہ ہی غریب غریب تر ہوتے ہیں، بلکہ نہایت حسن و خوبی سے غربت و افلاس کا قلع قمع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ باہمی طبقاتی آگ اور تحاسد و تباغض کی بھٹی ہمیشہ کے لیے سرد ہو جاتی ہے جس سے غریب و مفلس لوگ آمادۂ بغاوت ہو کر اپنی ہی قوم کے خون کا دریا بہا دیتے ہیں اور باہمی کشت و خون جو سوشلزم و کمیونزم اور اشتراکیت کا طرّۂ امتیاز ہے عمل میں نہیں آتا۔ بلکہ معاشرہ کی عمارت دولت کی مساویانہ تقسیم پر کچھ اس طرح سے استوار کی جاتی ہے کہ پورا ملک امن و سکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اشتراکی معاشرہ کو جس کی ہوا تک نصیب نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ سے اشتراکی معاشرہ کی بابت سنیے ؎

رنگ و بُو از تن نگیرد جانِ پاک | جز بہ تن کارے ندارد اشتراک[1]

دین آں[2] پیغمبرِ حق ناشناس | بر مساواتِ شکم دارد اساس

یہ[3] علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت | پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

---

[1] اشتراکی معاشرہ [2] پیغمبرِ ناحق شناس، یعنی لینن اور کارل مارکس کا نظریۂ اشتراکیت و کمیونزم [3] سوشلسٹوں اور اشتراکیوں پر تنقید ہے۔

لیکن اسلام نے زکوٰۃ، عشر، صدقہ و خیرات ایسے مالی حقوق دولت مندوں اور مالداروں پر قائم کر کے غریبوں اور ناداروں کو ان کی دولت و ثروت میں حصہ دار بنا کر جو مساواتِ حقیقی پیدا کی ہے، اس میں نعرہ بازی اور ملمع سازی نہیں، بلکہ اس کی صدائے مساوات حقیقت و صداقت پر مبنی ہے جو ہمیں صدیوں سے دعوتِ عمل دے رہی ہے جو فرش نشیں غریب کو اٹھا کر تخت نشیں امیر کا ہم پہلو بنا دیتی ہے، علامہ اقبال کی زباں سے سنیئے ؎

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز — صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط — کرتی ہے جو غریبوں کو ہم پہلوئے امیر

اقبال کس مساوات کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

نفلی حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے

اسلام کے معاشی نظام میں عسرت و افلاس کے دور کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اگر کسی کے پاس فاضل دولت موجود ہے، تو اسے بھی اس انداز سے خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ خرچ کرنے والا اپنا مقصد بھی حاصل کر لے اور اس سے معاشرہ کے بدحال لوگوں کا بھلا بھی ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص فاضل دولت سے کوئی ثواب کا کام کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں نفلی حج کرنے کا خیال رکھتا ہے تاکہ اسے خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو۔ تو اسلام کے معاشی نظام کی طرف سے اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نفلی حج کے بجائے اس رقم کو معاشرہ کے بدحال لوگوں پر صرف کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرے۔ اس سلسلے میں ہم امام غزالی علیہ الرحمۃ کا فرمان پیش کرتے ہیں :

"بہت سے دولت مندوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا اور ضرورت مند چھوڑ جاتے

ہیں (ایسا حج کہاں قبول ہوگا ؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ (قیامت کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ) اخیر زمانہ میں بلاضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی۔ ان کو حج کا سفر بہت آسان معلوم ہوگا (کہ جہازوں پر آئیں جائیں گے) روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی (جبکہ معاشرہ کے بدحال اور ضرورت مند لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور یہ نفلی حج کرتے پھرتے ہوں گے، لیکن) وہ حج کے ثواب سے محروم (تہی دست) واپس آئیں گے ابونصر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ایک شخص امام الاولیائ بشر بن حارث کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرا حج کا ارادہ ہے۔ آپ نے پوچھا تیرے پاس کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم۔ فرمایا حج سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے عرض کی اللہ کی رضا جوئی۔ فرمایا کہ میں تمہیں ایسا کام بتاتا ہوں کہ تمہارے روپے بھی خرچ ہو جائیں اور خدا کی رضا جوئی بھی حاصل ہو اور تمہیں سفر بھی نہ کرنا پڑے، اس نے عرض کی، بخوشی؟ فرمایا اچھا جاؤ اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے دو جو مقروض ہوں، وہ اس سے اپنا قرضہ ادا کر دیں اور اگر تمہاری طبیعت چاہے، تو یہ ایک ہی (مقروض یا کسی حاجتمند) کو دے دو فان ادخالك السرور علی قلب المسلم واغاثة اللهفان وكشف الضر واعانة الضعيف افضل من مائة حجة بعد حجة الاسلام (احیاء العلوم۔ ج ۳۔ ص۲۹۷)

ترجمہ: کیونکہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، بے کس کی امداد، ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا کمزور کی اعانت کرنا سو نفلی حج سے افضل ہے (اور اگر تو نے ایسا نہ کیا اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر حج پر چلا گیا، تو تیرا حج قبول نہ ہوگا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ وہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔ (احیاء العلوم، ج ۳ ص۲۹۷ طبع مصر)

۵ سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
انجمن ہے پیاسی اور پیمانہ بے صہبا تیرا

ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے بہتر ہے

اسی کتاب میں ایک جگہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ بعض لوگ معاشی بدحالی میں مبتلا لوگوں کی ضروریات میں صرف کرنے کی بجائے مساجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں، حالانکہ ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے کہیں بہتر اور اہم ہے۔

صرف المال الیہم اھم و افضل واولیٰ من الصرف الیٰ بناء المساجد وزینتہا۔ (ج ۳۔ ص۲۹۶)

یعنی ضرورت مند مسلمانوں کی ضرورت میں مال خرچ کرنا مساجد کی تعمیر و آرائش پر خرچ کرنے سے زیادہ ضروری و بہتر اور افضل ہے۔

پاکستان کی قومی آمدنی اور زکوٰۃ

اگر پاکستان کی قومی آمدنی کی زکوٰۃ پاکستان کے نادار افراد میں تقسیم کی جائے تو اس سے تقسیم دولت کا جس قدر وسیع سلسلہ عمل میں آسکتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۵ءمیں پاکستان کی قومی آمدنی پندرہ ارب تیس کروڑ روپے کے قریب تھی۔ زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فیصد کے حساب سے قومی آمدنی سے اگر زکوٰۃ نکال جائے، تو اڑتیس کروڑ پچیس لاکھ روپے سالانہ غریبوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ کیجیے ۱۹۶۵ء کا سرکاری بجٹ)

اموال ظاہرہ و باطنہ

اموال کی دو قسمیں ہیں ظاہرہ و باطنہ۔ اول الذکر وہ مال ہے جسے گھر میں چھپا کر رکھنا ممکن نہ ہو جیسے جانور اور کھیتی اور ثانی الذکر وہ مال ہے جسے گھر میں چھپایا جاسکتا ہے جیسے سونا اور چاندی۔ ثانی الذکر مال کی زکوٰۃ اگر صاحب مال از خود حکومت کو ادا کرے، تو بہتر ورنہ اس سے جبراً وصول نہیں کی جائے گی۔ نیز وزیر خزانہ یا افسر خزانہ اموال زکوٰۃ کو ...

خرچ کرنے کے پابند ہیں جس طرح قرآن وسنت کی ہدایات ہیں اور قرآن وسنت نے ہر طرح سے اس کی وضاحت کر دی ہے جس کو پیش نظر رکھنے والا غلطی میں نہ پڑے گا۔

؎ صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند !!
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

نگرانی کا حق

اسلام کے معاشی نظام کی برتری کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اصول خدا تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں اور زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے اپنی مرضی سے کچھ کہنے یا کرنے کے مجاز نہیں، بلکہ دونوں خدا و مصطفےٰ جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی وامر پر چلنے کے پابند ہیں، اس لیے اسلام زکوٰۃ دینے والوں کی نگرانی کا بھی حق دیتا ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے اموال صحیح مصرف پر صرف ہو رہے ہیں یا نہیں، اگر ضرورت پڑے تو ذمہ دار افسر کے خلاف عدالت میں دعویٰ بھی دائر کر سکتے ہیں اور اس کے علاوہ درہم و دینار یعنی نقد رقم اور سونے چاندی کی زکوٰۃ صاحبِ نصاب اپنی مرضی سے جہاں چاہے دے اور جس مستحق کو مناسب سمجھے عطا کر سکتا ہے، لیکن حکومتِ اسلامیہ کو سامانِ تجارت و مویشی؛ یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ بکریاں، گھوڑوں اور گدھوں کی تجارت پر زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے، اس میں جو مزاحم ہو، اسے باغی تصور کیا جاتا ہے اور امیر اسلام اس سے اکراہ و جبر کے ساتھ زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور زرعی پیداوار کا عشر بھی حکومتِ اسلامیہ وصول کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ حکومتِ اسلامیہ اس سلسلے میں پوری توجہ سے اور بلا رُو رعایت وصولی کی تگ و دَو کرے گی تاکہ وہ معاشی بدحالی میں مبتلا افراد کی حالت سدھارنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو ؎

ہر ایک مقام سے آگے گزر گیا ماہِ نو
کمال کس کو میسّر ہوا ہے بے تگ و دَو

مصارفِ ثمانیہ یعنی زکوٰۃ کے آٹھ مصارف

زکوٰۃ کے مصرف وہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں جن کا قرآن کریم کی سورۂ توبہ میں ذکر ہے انما الصدقات للفقراء الخ آیت ۶۰ یعنی زکوٰۃ صرف غریبوں، نرے ناداروں اور انہیں کے لیے ہے جو اسے حاصل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنوں کے چھڑانے میں (صرف کی جائے) اور مقروضوں کے لیے اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں اور طالب العلموں) اور مسافر کے لیے ہے (یعنی فقرا و مساکین و یتیم و بیوہ و جسمانی معذور و بے روزگار کیلئے)

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمۂ مبارکہ مسمّی بہ کنز الایمان ۱۳۳۰ھ فی ترجمۃ القرآن میں مسکین کا ترجمہ نرے نادار سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ہدایہ کے مطابق ہے فرماتے ہیں والمسکین من لاشیئ لہ (ج ۱ ص ۱۸۷) کہ مسکین وہ ہے جو کچھ بھی نہ رکھتا ہو۔ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں وھذا مروی عن ابی حنیفۃ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تعریف مروی ہے۔

مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ

ابتدائے اسلام میں کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے یا اسلام پر باقی رکھنے یا ان کے شر سے بچنے کے لیے مدِ زکوٰۃ سے حصّہ دیا جاتا تھا (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۹) اور اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تقسیم فرماتے۔ جب اسلام ایک طاقت بن گیا تو اس وقت ایسے لوگوں کو حصّہ دینے کی ضرورت نہ رہی: لہٰذا مولفۃ القلوب کا حصّہ خود بخود ساقط ہو گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ عینیہ اور اقرع نامی دو شخص مولفۃ القلوب سے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس حاضر ہوتے اور اپنا حصّہ طلب کیا۔ آپ نے حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہ دونوں صاحبان خط لے کر سیدنا عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ آپ نے اس خط کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لیے عطا فرمایا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر کے ایسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر، ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ آپ نے ارشاد فرمایا هُوَ اِنْ شَآءَ یعنی وہی (میرے بعد خلیفہ ہوں گے) اگر چاہیں (اور منظور کریں) گے۔ تو حضرت صدیق اکبر اور دیگر جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے اتفاق کیا؛ لہٰذا مؤلفۃ القلوب کے حصّہ کے سقوط پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضرت عمر فاروق قرآن کریم کو کیسے منسوخ کر سکتے تھے۔ نیز یہ خبرِ واحد ہے اس سے قرآن کریم کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا لہٰذا اس حکم کا باقی رہنا حکومتِ وقت کی صوابدید پر موقوف ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں، بلکہ یہ صحابہ کرام کا اتفاق و اجماع ہے اور اجماع قطعی ہوتا ہے۔ حضرتِ عمر فاروق تو اس فیصلے کے مظہر قرار پائے اور اس اجماع کی سند کتاب وسنّت سے کوئی نہ کوئی دلیلِ شرعی انہیں معلوم تھی، اگرچہ اس دلیلِ شرعی کا اس وقت ذکر نہ کیا گیا ہو اور عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے۔ پھر ممکن ہے کہ ذکر بھی ہوا ہو، مگر اسے کسی نے بھی نقل نہ کیا ہو، کیونکہ عدمِ نقل بھی عدم ذکر کو مستلزم نہیں ہے اور اس کے لیے اس قدر کہنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہونے کی حیثیت سے وہ نفوسِ قدسیہ کسی حکم و فیصلہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہ سکتے، جب تک کہ انہیں اس فیصلے و حکم کی سند کتاب و سنت

سے معلوم نہ ہو، ان کا حضرتِ عمر فاروقِ اعظم کے فیصلہ مذکورہ پر خاموش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں قرآن وسنّت کی روشنی میں یہ بات معلوم تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤلفۃ القلوب کو حصّہ دینا اس وقت تک ہے جب تک کہ اسلام کو غلبہ و قوت حاصل نہیں ہوتی۔ نیز امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی یہ آیت تلاوت فرمائی: الحق من ربکم فمن شآء فلیومن و من شآء فلیکفر (سورۂ کہف) کہ تمہارے رب کی طرف سے حق (واضح ہوگیا) ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی آیت مؤلفۃ القلوب کے حصّہ کے سقوط کی موجب ہے۔ (فتح القدیر۔ ج ۲۔ ص ۲۶)

رہا یہ سوال کہ آیت انما الصدقات الخ مدنی اور آیت الحق من ربک الخ مکی سورت سے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مؤخر الذکر آیت کا نزول مکہ میں ہوا تاہم اس کا حکم اور اس پر عمل بعد میں ظہور پذیر ہوا کہ ایسی کئی ایک آیات پائی جاتی ہیں جو نزول کے اعتبار سے مقدم مگر حکم و عمل کے لحاظ سے مؤخر ہیں۔ بہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بالخصوص لسان الحق سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم سے یہ بات ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ وہ کسی ایسی نص قرآن کریم کی جو اپنی قطعی حالت کے ساتھ بدستور موجود ہو خلاف ورزی کریں، کیونکہ وہ تو قرآن کریم کے احکام کے محافظ و پاسبان تھے، اس کے کسی حکم کی مخالفت کیسے کرسکتے تھے؟ ؎

پاسبانِ عزت ام الکتاب!
از نگاہش خانۂ باطل خراب!

مقامی مستحقین کو ترجیح اسلامی معاشی نظام نے دُور والوں کی نسبت قریبی و مقامی مستحقین کو ترجیح دی ہے۔ زکوٰۃ کی

تقسیم میں اوّل قریب، پھر بعید کے مطابق پہلے قریبی و مقامی مستحقین کو دینے کا حکم ہے اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو دور والوں کو۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی ذمہ داریاں سونپ کر روانہ کیا، تو ارشاد فرمایا اے معاذ! تم اہل کتاب کے پاس جا کر انہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے (اسلام لانے) کی دعوت دینا اگر وہ تمہاری بات مان لیں (اسلام قبول کرلیں) تو انہیں پنجگانہ نمازوں کی پابندی کا حکم دینا اور اس کے بعد انہیں فریضۂ زکوٰۃ سے آگاہ کرنا اور ان کے امیروں سے زکوٰۃ وصول کرنا توخذ من اغنیائھم وترد علیٰ فقراءھم یعنی زکوٰۃ وہاں کے دولت مندوں سے لے کر وہاں کے غریبوں میں بانٹ دی جائے گی اور وصولی زکوٰۃ میں ان کے بڑھیا مال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں (بخاری، مسلم)

اس حدیث کی شرح میں ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان نقل الزکوٰۃ عن بلد الوجوب لا یجوز مع وجود المستحقین فیہ بل صدقۃ کل ناحیۃ لمستحقی تلک الناحیۃ

یعنی ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کو بھیجنا جائز نہیں، جبکہ وہاں مستحق موجود ہوں، بلکہ ہر علاقہ کی زکوٰۃ اس علاقے کے مستحقوں کے لیے ہے۔

(مرقاۃ ج ۴، ص ۱۱۹)

فقہائے احناف نے اگرچہ عدم جواز کا قول نہیں کیا تاہم کراہیت سے اتفاق کیا ہے، ہدایہ میں ہے: ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد (ج ۱، ص ۱۹۰)

ایک مرتبہ خراسان کی زکوٰۃ وہاں کے عامل نے شام کے بیت المال کو روانہ کردی، خلیفۂ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، تو آپ نے وہ زکوٰۃ

خراسان کے بیت المال کو واپس بھجوادی اور ہدایت کی کہ اسے خراسان کے مقامی مستحقوں میں بانٹ دیا جائے۔ (عمدۃ القاری، شرح بخاری، ج ۸ ص ۲۳۸)

البتہ اگر ایک شہر کی زکوٰۃ وہاں کے مقامی مستحقوں کی ضرورت سے زیادہ ہے اور زکوٰۃ دینے والے کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار جسے شرعی طور پر زکوٰۃ دینے کی ممانعت نہیں دوسرے شہر میں ہے، تو اس صورت میں اس کو زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۹۰)

ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں جمہور فقہائے احناف کی رائے

ہدایہ میں ہے کہ

لاتدفع الی بنی ھاشم کہ ہاشمیوں کو زکوٰۃ نہ دی جائے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

یا بنی ھاشم ان اللہ حرم علیکم	کہ اے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں
غسالۃ النّاس واوساخھم	کا غسالہ اور میل (زکوٰۃ) حرام کی ہے
وعوّضکم منھا بخمس الخمس	اور اس کے عوض تمہیں خمس کا خمس عطا کیا ہے۔

(ھدایہ ج ۱۔ ص ۱۸۸)

لہٰذا اس نص سے معلوم ہوا کہ بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے۔ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، بلکہ ہاشمی لوگ اپنی زکوٰۃ غیر ہاشمی کو دیں گے۔ لیکن آج کے دور میں اس مسئلے پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ جیسا کہ

امام طحاوی کی رائے

امام الاحناف حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ ضرورت مند معاشی بحران میں مبتلا ہاشمی حضرات زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ امام طحاوی نے اس سلسلے میں کچھ احادیث بھی روایت کی ہیں جن سے جواز ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے، تاہم آج کے پُرفتن دور میں جسے معاشی مسائل نے سنگین حالات سے دوچار کر رکھا ہے غیر ظاہر الروایہ

پر عمل مناسب ہے، جبکہ امام صاحب سے ایک روایت جواز کی بھی ہے؛ چنانچہ فتح القدیر میں امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وروی ابو عصمة عن ابی حنیفة انه یجوز فی هذا الزمان وان کان ممتنعا فی ذالك الزمان۔ (فتح القدیر ج ۲۔ ص۲۷۲)

اور امام ابو عصمۃ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ اس (امام اعظم کے) زمانے میں ہاشمیوں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے اگرچہ اس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں ناجائز تھی۔

کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے:

الحرمة کانت فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم للعوض وهو الخمس فلما سقط ذالك حلت لهم الصدقة قال الطحاوی وبالجواز ناخذ۔ (هدایه ج ۱۔ ص۱۸۱)

کہ حرمتِ زمانۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں عوض یعنی خمس الخمس کی وجہ سے تھی، تو جب خمس الخمس ساقط ہوگیا، تو ان کے لیے زکوٰۃ حلال ہوگئی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں ہم جواز کو لیتے ہیں۔

یہ حرمت گویا اس وجہ سے تھی کہ انہیں خمس الخمس ملتا تھا اور جب خمس الخمس ساقط ہوگیا، تو ان کے لیے بہ قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات زکوٰۃ کی حرمت ساقط ہوگئی۔ ہاشمی حضرات کو لوگوں کے صدقاتِ نافلہ یا حیلوں کے رحم وکرم پر چھوڑنا ان کے معاشی بحران میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے بعد ہاشمیوں کے لیے کہ غریب ومفلس ہوں، کفالت کا الگ انتظام کر دیا جائے جس سے وہ حسبِ ضرورت لے سکیں، تو وہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہوجائیں گے۔ فیعود حکم الحرمة۔ الغرض زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اگر اہلِ دولت اپنی دولت کی زکوٰۃ صحیح طور پر ادا کریں، تو اس سے نہ صرف ان کے دلوں

سے دولت کی محبت مٹ کر وہاں خدا تعالیٰ کی محبت جلوہ گر ہو گی، بلکہ معاشرہ کے افلاس و غربت کے مارے ہوئے لوگوں کو کسی حد تک معاشی مساوات حاصل ہو گی اور اسلامی معاشرہ کو بے مثال استحکام بھی نصیب ہو گا ؎

حُبِ دولت را فنا ساز د زکوٰۃ — ہم مساوات آشنا ساز د زکوٰۃ
دل ز حتیٰ تنفقوا محکم کند — زر فزاید اُلفتِ زر کم کند
ایں ہمہ اسباب استحکام تست — پختہ محکم اگر اسلام تست
اہلِ قوت شو ز وردِ یا قوی — تا سوارِ اشترِ خاکی شوی

کس کس چیز سے عشر دیا جائے

عشر کے معنی دسویں حصّہ کے ہیں نصف عشر (بیسواں حصّہ) بھی اس اطلاق میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

واتوا حقه يوم حصاده (الانعام ۱۴۱)

اور اس کا حق شرعی اس کے کاٹنے کے دن ادا کرو۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرماتے ہیں:

معنی یہ ہیں کہ یہ چیزیں (کھیتی اور درخت) جب پھلیں کھانا تو اسی وقت سے تمہارے لیے مباح ہے اور اس کی زکوٰۃ یعنی عشر اس کے کامل ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے، جب کھیتی کاٹی جائے یا پھل توڑے جائیں (مسئلہ) لکڑی، بانس، گھاس کے سوا زمین کی باقی پیداوار بارش سے ہو تو عشر واجب ہوتا ہے اور اگر رہٹ وغیرہ سے ہو تو نصف عشر۔

(تفسیر خزائن العرفان برحاشیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت ص ۲۳۶)

عشر زمین کا کرایہ ہے

زمین کے بارے میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ (قرآن) کہ زمین کا مالک اللہ ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو عارضی اور مجازی طور پر مالک بنا دیا ہے کہ اپنی ضروریات کے سلسلے میں زمین سے استفادہ کریں؛ لہٰذا عشر اس کا معاوضہ و کرایہ ہے، لیکن چونکہ وہ خود کرایہ لینے سے پاک ہے، اس لیے اس نے ہدایت کی کہ اسے ضرورت مندوں کو دے دو، ان کے ہاتھوں میں گیا، تو گویا خدا کے ہاتھوں میں پہنچا کہ خدا کی مخلوق اس کا عیال ہے۔ امام ابو یعلیٰ اور امام بزار حضرت انس اور امام طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّھُمْ اِلَی اللّٰہِ اَنْفَعُھُمْ لِعِیَالِہٖ۔ (الجامع الصغیر للسیوطی ج ۲ ص۱۱)

کہ کل مخلوق خدا کا عیال ہے، تو اللہ کو وہی زیادہ پسند ہے جو اس کے عیال کو زیادہ فائدہ پہنچائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمین خدا کی ہے ہم عارضی استفادہ کرنے والے ایک طرح سے اس کے کرایہ دار ہیں اور یہ عشر و نصف عشر وغیرہ اس کی زمین کا کرایہ ہے ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

عشری زمین

عشر یا نصف عشر، عشری زمین سے لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے، تو ان کی زرعی زمین اور عربوں کی زمینیں اور مجاہدین و غنیمت والوں کے حصہ میں آئی ہوئی زمینیں جنہیں مسلمانوں نے آباد کیا ہو اور لاوارث ذمی کے مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آنے والی زمین سب عشری ہیں۔ ان سے عشر یا نصف عشر لینے کا حکم ہے، اسی طرح جو زمین عشری ہو نہ خراجی

اس سے بھی عشر یا نصف عشر کی وصولی کا حکم ہے۔

ہندو پاک کی زمینوں کا حکم

اس صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی مبارکہ "فتاویٰ رضویہ" میں فرماتے ہیں :

ہندوستان (اور پاکستان) کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کہ کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو، بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۴۔ صـ۴۵۳)

عرب کی سرزمین عشری ہے

قاضی القضاۃ امام ابی بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : وارض

الحجاز والمدینۃ ومکۃ والیمن وارض العرب کلہا ارض عشر۔ (کتاب الخراج صـ۶) اور حجاز مدینہ ومکہ ویمن اور کل عرب کی زمین عشری ہے۔

عشر و نصف عشر کی صورت

اگر عشری زمین بارش اور دریائی سیلاب یا قدرتی چشموں اور نہروں کے بے قیمت پانی سے سیراب ہوتی ہو، تو اس کی پیداوار سے عشر لیا جائے گا اور اگر ان ذرائع سے سیراب ہو جن میں خرچ کرنا پڑتا ہے، تو نصف عشر لیا جائے گا۔ ہدایہ میں ہے کہ اس پر ہونے والے مصارف کے وضع کرنے سے پہلے عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔

لا یحتسب منہ اجر العمال ونفقۃ البقرۃ (ج ۱۔ صـ۱۹۵) کہ کارکنوں اور بیلوں کے اخراجات شمار میں نہیں لائے جائیں گے۔

عشر زمیندار پر یا مزارع پر؟

امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے

فتاویٰ شریف میں فقہا کے فیصلوں کی بہترین تنقیح کر کے مسئلہ کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

زمین اگر بٹائی پر دی جائے، یعنی مزارع کے لیے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف (۱/۲) یا ثلث (۱/۳) غلہ قرار دیا جائے، تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ عشر آئے گا، مثلاً مزارعت بالمناصفۃ (۱/۲) کی صورت میں سو من غلہ پیدا ہو تو زمیندار پانچ من عشر میں دے اور اگر (زمین) اجارہ پر دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں۔ مثلاً سو روپیہ بیگھہ پر اٹھائی، تو (بمطابق قول صاحبین رحمہما اللہ) کل عشر مزارع پر ہے۔ ہمارے بلاد میں وہی (قول صاحبین) ادفق بالناس ہے۔ الخ (ج ۴، ص ۴۵۹)

کیونکہ اس صورت میں زمیندار پر عشر واجب کرنا اس کے لیے ناقابلِ برداشت بوجھ ہو جائے گا جس سے اگر ایک کو معاشی سہولت ضرورت سے زیادہ حاصل ہوگی، تو دوسرے کے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی ؎

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

عشر و خراج کا مصرف

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے، البتہ خراج کا حکم اور ہے وہ یہ کہ خراج کا مصرف لشکرِ اسلام ہی نہیں، بلکہ تمام مصالح عامۂ مسلمین ہیں جن میں تعمیرِ مساجد و خرچ مساجد و وظیفۂ امام و مؤذن و بنائے پُل و سرائے و تنخواہِ مدرسین عالمِ دین و خبرگیریٔ طلبۂ علومِ دین و خدمتِ علماء حق حامیانِ دین مشغولینِ درس و وعظ و افتاء وغیرہا امورِ دین سب داخل ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۴۵۶/۴۵۷)

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

کسی زمین کے عشری ہونے کی آٹھ صورتیں ہیں :

۱۔ مفتوحہ اراضی کہ مجاہدینِ اسلام میں تقسیم کی گئیں۔ ۲۔ لڑائی کے بغیر از خود مسلمان ہونے والوں کی زمینیں۔ ۳۔ کاشت ہونے والی زمین کہ عشری کے قریب ہے۔ ۴۔ عشری و خراجی زمین سے یکساں قریب کاشت ہونے والی یا عشری یا خراجی دونوں پانیوں سے سیراب ہونے والی زمین۔ ۵۔ مسلمان کا مکان کھیت یا باغ بن گیا۔ ۶۔ عشری زمین خرید کردہ ذمی کو مسلمان نے شفعہ میں لے لیا یا سقمِ شرعی سے بیع فاسد یا خیارِ شرط یا خیارِ رویت سے بیع ٹوٹ گئی یا خیارِ عیب سے بہ حکم قاضی واپس ہوگئی۔ ۷۔ افتادہ زمین کہ اسے مسلمان نے آباد کیا۔ ۸۔ غیر مسلم لاوارث بچے مرنے کے بعد اس کی زمین مسلمان کے قبضہ میں آگئی۔ ان سب صورتوں میں عشر یا نصف عشر ہوگا۔ جب ان زمینوں کا عشر بیت المال میں جمع ہوکر مستحقین مملکت میں تقسیم ہوگا، تو انشاء اللہ تعالیٰ معیشت نظام مصطفیٰ کی برکت سے مملکتِ پاک کے باشندوں کو فارغ البالی کا وہی مقام اور بادہ و جام ہاتھ آجائے گا جسے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام نے ان سے چھین لیا ہے ؎

لا ایک بار پھر وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

کونسی صورتوں میں زمین سے خراج لینے کا حکم ہے

کسی زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں بھی آٹھ ہیں : ۱۔ مفتوحہ اراضی کہ غیر مسلم مفتوحین کے پاس رہنے دی گئیں۔ ۲۔ غیر مسلم بہ صلح اطاعت قبول کرکے ذمی کی حیثیت سے پناہ میں آگئے، ان کی زمینیں۔ ۳۔ غیر مسلم ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔ ۵۔ افتادہ (غیر آباد) زمین کہ اسے بہ اجازت سلطان غیر مسلم ذمی نے آباد کیا۔ ۶۔ مسلمان کی آباد کردہ افتادہ زمین کہ خراجی زمین کے

قریب یا خراجی پانی سے سیراب ہو۔ ۷۔ مفتوحہ غیر منقسم اراضی کہ تا قیامت مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی گئیں۔ ۸۔ زمین کے مالک مرگئے اور وہ بیت المال میں آگئی۔ جب ان سب اراضی کا خراج بیت المال میں جمع ہوگا، تو انشاء اللہ معاشی مشکلات حل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ نیز خراج کا تعلق عشر کے برعکس پیداوار کی بجائے صرف زمین سے ہے خواہ آباد کرے یا نہ۔

عشری اور خراجی پانی بارش، کنوؤں، چشموں، دریاؤں اور عربوں کی کھودی ہوئی نہروں کا پانی عشری ہے غیر عربوں کی کھودی ہوئی نہروں، غیر مسلموں کے کھودے ہوئے کنوؤں کا پانی خراجی ہے، اگرچہ بعد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے۔

خراج کی قسمیں خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کو حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی صورت میں مقرر کیا جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر مقرر کیا۔ دوسرا خراج موظف کہ نی بیگھہ رقم کی ایک مقدار مقرر کر دی جائے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا (ہدایہ و کتاب الخراج)

جزیہ غیر مسلم جو اسلامی سلطنت کے زیر اقتدار اور پناہ میں آجائیں، حکومت ان کی جان و مال و آبرو کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان غیر مسلموں سے معمولی سا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس کا نام جزیہ ہے، اس سے جہاں غیر مسلموں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی آئینی ضمانت حاصل ہوتی ہے، وہاں اسلام کی بالادستی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور یہ جزیہ ہر عاقل، بالغ، آزاد اور با روزگار غیر مسلم مرد سے لیا جاتا ہے اور موجودہ ٹیکس جزیہ کی جگہ ہوگا اس لیے ان سے جزیہ کی دوسری کوئی وصولی نہیں کی جائے گی، اسے جزیہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں غیر مسلموں سے حُسن سلوک

اسلام کا معاشی نظام ایک

ایسا رحیمانہ اور مشفقانہ نظامِ حیات ہے کہ اس میں غیر مسلموں سے بھی ہمدردی کی بنیاد پر بہتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ جزیہ صرف ان غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے جو مسلمانوں سے لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے غیر مسلم عورتیں، بچے، پاگل، معذور، بے روزگار اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مذہبی راہنما جو خلوت نشین اور عبادت گزار ہیں اور اپنے عامۃ النّاس کو اسلام کے خلاف کوئی صلاح ومشورہ تک نہیں دیتے، وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مالوں سے کوئی زکوٰۃ وغیرہ بھی نہیں لی جائے گی اور یہ جزیہ سال میں صرف ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا۔ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مسلم ذمیوں کو جو تحفظات اور سہولتیں حاصل ہیں اگر انہیں وہ صحیح طور پر میسّر ہوں، تو وہ اس کی تاثیرِ فیض سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اسلام لائے بغیر نہیں رہتے۔ خلافتِ راشدہ اور حضرتِ عمر بن عبدالعزیز کے دور اس پر شاہد ہیں ؎

جمیل تر ہیں گل ولالہ فیض سے اس کے
نگاہِ نظامِ مصطفےٰ میں وہ ہے جادو

سقوطِ جزیہ

اگر سال ختم ہونے لگا، جزیہ کی ادائیگی سے قبل کوئی غیر مسلم ذمی مسلمان ہوگیا، تو اسے جزیہ معاف ہوتا ہے اور اگر غیر مسلم ذمی پر جزیہ سال کے اختتام سے واجب ہوچکا تھا اور وہ مرگیا، تو جزیہ ساقط ہوگیا۔ نہ تو اس کے وارثوں سے لیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے ترکہ سے وضع کیا جائے گا۔ (کتاب الخراج۔ طبع مصر، صـ ۱۲۲/۱۲۳)

اور یہ جزیہ مستقل طور پر اس وقت ختم و ساقط ہوجائے گا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

جزیہ کی مقدار اسلام کے نظامِ معیشت میں غیر مسلموں پر جو جزیہ عائد کیا جاتا ہے، اس کی مقدار اس قدر قلیل ہے کہ وہ برائے نام ہی ہوتا ہے؛ چنانچہ امام شمس الائمہ سرخسی کتاب المبسوط اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں، مالدار ذمی سے سالانہ اڑتالیس اور متوسط درجہ والے سے چوبیس اور اس سے ادنیٰ حالت والے سے بارہ درہم شرعی وصول کیے جاتے ہیں (المبسوط ج ۱۰ ص۸۰ و کتاب الخراج ص ۱۲۴/۱۲۳)

درہم چاندی کا ہوتا ہے جس کا وزن تولہ کا ۱/۴ حصہ ہے، تو چار درہم گویا ایک تولہ چاندی ہوئی، چاندی کی بجائے اس کی مالیت کی رقم موجودہ نرخ کے مطابق دی جا سکتی ہے، پھر اس کی وصولی میں ان سے انتہائی نرم رویہ برتا اور نہایت ہی مشفقانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

ایک یہودی کا عجیب واقعہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مکان سے گزر رہے تھے کہ اس کے دروازے پر ایک بوڑھا، نابینا سوال کر رہا تھا۔ آپ نے ازراہِ شفقت اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کون ہو، اس نے کہا کہ وہ یہودی ہے، اسے جزیہ دینا ہے جس کی ادائیگی کے لیے وہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ فاروقِ اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑا، اسے اپنے گھر لائے جو کچھ توفیق تھی، اسے عنایت فرمایا اور بیت المال کے افسر کو بلوا کر اسے ہدایت فرمائی کہ اسے دیکھ لو یہ ایک نادار یہودی ہے، اس قسم کے لوگوں سے جزیہ مت لیا کرو، بلکہ اس کی ضرورت کا بندوبست کر دو (یعنی اس کا بیت المال سے گزارہ الاؤنس مقرر کر دو تاکہ اسے پیٹ پالنے کے لیے بھیک بھی نہ مانگنی پڑے) خدا کی قسم یہ بے انصافی ہوگی کہ اس سے ہم جوانی میں تو جزیہ لیں اور بڑھاپے میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔ (کتاب الخراج، ص ۱۲۶)

اسلام کے نظامِ معیشت پر حرف گیری کرنے والے ذرا نظرِ انصاف سے اس کی برکتوں کو دیکھیں جو بلا تمیزِ اپنے پرائے سب پر برابر نثار کی جا رہی ہیں۔ فرنگی نظامِ حیات کا سرکارِ مدینہ کے نظامِ حیات سے موازنہ فرما کر خود ہی صحیح فیصلہ کریں ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

غیر مسلم نادہندوں کے ساتھ سلوک

اسلام کے نظامِ معیشت میں مسلمان تو مسلمان رہے غیر مسلم نادہندگان سے بھی جو حسنِ سلوک برتا جاتا ہے، اس کی کہیں مثال نہیں ملتی، اس کے برعکس آج کے نام نہاد ترقی پسند و مہذب دور میں جس طرح مجبور عوام کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے، وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اسلام کے سراپا رحمت و شفقت نظامِ معیشت کو رجعت پسندی کا طعنہ دینے والے حق و انصاف کے نام کی کسی چیز سے اگر واقف ہیں، تو وہ غور کریں، کیا یہی نام نہاد جدید اور ترقی یافتہ نظامِ معیشت بہتر ہے جس میں مجبور عوام سے سود در سود وصول کیا جاتا ہے اور ناداری و غربت سے ادائیگی نہ کرنے والے کو پابند سلاسل کر کے جیل میں ڈالا جاتا ہے اور اگر اس کے باوجود وہ بیچارہ و نادار آدمی ٹیکس کی رقومات کسی مجبوری سے نہ دے سکے، تو اس کی جائداد جو اس کی ضروریاتِ زندگی تک کی کفایت نہیں کر سکتی، نیلامِ عام کر کے اس سے سرکاری قرضے وصول کیے جاتے ہیں؟ یا اسلام کا وہ نظامِ معیشت بہتر ہے جس میں مسلمان تو کجا نادھندگانِ غیر مسلموں سے بھی مشفقانہ سلوک کیا جاتا ہے اور ان سے کسی طرح کی زیادتی و تشدد کو ہرگز برداشت نہیں کیا جاتا؟ اس لیے یہ کہنا بجا ہو گا کہ اسلام کا نظامِ معیشت ہی ایک واحد نظامِ حیات ہے جو اپنے پرائے سے قطع نظر انسانی قدروں کا سچا محافظ ہے اور اس حقیقت کا اعتراف وہ

حضرات ضرور کریں گے جن کا سینہ عقل وشعور اور عدل وانصاف سے روشن ہے اور جو اس روشنی سے محروم ہیں، وہ اپنی کج فہمی پر روئیں، اسلام کے نظامِ معیشت کا کیا قصور ؟ ؎

میرے شرر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیستاں تیرا ہے نمناک

امام قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :

ہمیں ہشام بن عمروہ نے اپنے باپ عروہ سے انہوں نے سعید بن زید سے روایت کی ہے کہ ان کا اہلِ کتاب کے ایک گروہ سے گزر ہوا، جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، سعید بن زید نے اس کی وجہ دریافت کی جواب ملا کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، انہیں اس کا دُکھ ہوا، وہ سیدھے حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ نے فرمایا مَن عذب الناس عذبہ اللہ جو لوگوں کو عذاب دے گا، اسے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا (اس پر ان کی رہائی ہوگئی)

(کتاب الخراج صـ ۱۲۵)

اس کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شام سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ آپ کا کچھ ایسے لوگوں سے گزر ہوا جنہیں دھوپ میں کھڑا کرکے ان پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا، آپ نے اس کی وجہ دریافت کی، عرض کی گئی کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، آپ نے فرمایا کیا کہتے ہیں :

قَالُوْا یقولون لَا نجد قَال فَدَعُوهُمْ لَا تکلفوهم مَا لَا یُطِیقُوْنَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْل

انہوں نے عرض کی کہ کہتے ہیں ہم ادائگی کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا، پھر ان کو چھوڑ دو، ایسے بے ہمت لوگوں کو

اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ فَاِنَّ الَّذِیْنَ یعذبونَ النَّاسَ فِی الدُّنْیَا یعذبہم اللہ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ اَمر بِہِمْ فَخلی سَبِیْلَہُمْ۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۲۵)

تکلیف نہ دیا کرو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو (قابلِ درگزر بات میں) تکلیف نہ دیا کرو جو لوگوں کو (قابلِ درگزر بات میں) عذاب دیں گے، خدا روزِ قیامت انہیں عذاب دے گا۔ آپ نے انہیں رہا کر دینے کا حکم دیا، تو انہیں رہا کر دیا گیا سے

آدمیت احترامِ آدمی!
باخبر شو از مقامِ آدمی!
اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی ہے اس کا اللہ کے بندوں پہ شفیق

قحط سالی میں قطع ید کی ممانعت

اسلام کے معاشی نظام کی برتری اور سربراہِ اسلام کی شفقتِ عامہ کا یہ عالم قابلِ دید ہے کہ قحط سالی میں چونکہ معاشی بدحالی کا دَور دورہ ہوتا ہے۔ اس لیے فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمانہ میں قطع ید کی ممانعت فرما دی تھی: چنانچہ امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی اور معاملہ فہمی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ آپ نے زمانۂ قحط میں چوروں سے ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ساقط فرما دی تھی اور فرمایا کہ زمانۂ قحط میں ہاتھ کاٹنے کی سزا انہیں دی جائے گی اور ایسے ہی وجوہ کی بنا پر آپ نے سو بکریوں کے ریوڑ کے مالک کو بوقتِ ضرورت زکوٰۃ لینے کی اجازت دے دی تھی (کتاب الاموال، ج ۲ صفحہ ۲۳۱) کہ بکریوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ بھوک سے دودھ دینا بند کر دیتی ہیں اور دودھ پر تو مالک کی روزی کا انحصار ہوتا ہے۔ قحط سالی اور معاشی بدحالی

کے زمانے میں چوروں سے عفو و درگزر کرنا نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرۂ امتیاز ہے، اس لیے یہ کہنا یقیناً بجا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا نظامِ زندگی پوری انسانیت کے لیے پیغامِ فوز و فلاح اور سراپا عفو و اماں ہے ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

حضرت علی کی ایک تحصیلدار کو وصیت

امام بیہقی سنن کبریٰ اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف کا ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے سابور علاقہ کا تحصیل دار مقرر کیا اور روانگی کے وقت مجھے حکم دیا کہ دیکھو روپیہ پیسہ کی وصولی میں کسی کو کوڑے نہ مارنا اور نہ ان کے خوراک کے سامان کو فروخت کرنا اور نہ ان کے موسم سرما اور گرما کے کپڑے نیلام کرنا اور نہ ہی ان کے جانوروں کو جن سے وہ کام کرتے ہیں اور نہ کسی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کرنا۔ تحصیل دار نے عرض کی کہ اس صورت میں تو میں اسی طرح خالی ہاتھ واپس آؤں گا جیسے خالی ہاتھ گیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: افسوس کہ ہمیں حکم ہی یہی ہے کہ جو چیز فاضل اور ضرورت سے زائد ہو، اس سے محصول وصول کریں، تو اگر تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا تعالیٰ تجھے میرے بغیر ہی پکڑ لے گا اور اگر مجھے علم ہو گیا، تو میں تجھے معزول کر دوں گا۔ تحصیل دار کا کہنا ہے کہ میں حضرت علی کے حسب ارشاد روانہ ہوا فَعَلتُ بِالَّذِی اَمَرَنِی بِهِ فَرَجَعتُ وَلَمْ اَنتَقِص مِنَ الخَرَاجِ شَیئاً۔ یعنی میں نے خراج کے وصول کرنے سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی ہدایات پر عمل کیا، تو پورا خراج لے کر لوٹا اور خراج سے کچھ بھی کم نہ تھا۔

یہ اسلام کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ سرکاری ٹیکس اسی طرح لطافت و

شفقت سے وصول کیا جاتا ہے کہ اس سے نہ کوئی بھوکا رہتا ہے، نہ پریشان و تنگ۔
لہٰذا ہمیں تہذیبِ حاضر کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اس سے استغنا و اعراض کر کے اپنے خدا و مصطفیٰ جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے نظامِ معیشت کو نافذ کر کے اپنی عزتِ رفتہ کو واپس حاصل کرنا چاہیئے جس میں مسلمانوں کے لیے حقیقی ترقی کا راز مضمر ہے اور جو ہماری صحیح منزل و معراج ہے ؎

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

جزیہ کی قلیل مقدار پر جرجی زیدان جیسے متعصب عیسائی کو تسلیم کرنا پڑا کہ جزیہ کی جو رقم اسلامی سلطنت میں غیر مسلم رعایا سے لی جاتی ہے، وہ اس رقم سے بہت ہی کم ہے جو وہ اسلام سے قبل روم و ایران کی حکومتوں کو دیا کرتے تھے۔ اب جبکہ غیر مسلم حکومتِ پاکستان کو مختلف ٹیکس دیتے ہیں جو جزیہ سے کہیں زیادہ ہے، تو ٹیکسوں کی موجودگی میں ان سے جزیہ کی وصولی نہیں ہوگی؛ البتہ جزیہ میں انہیں فائدہ ہے کہ وہ تھوڑا ہوگا اور ٹیکس زیادہ ہے۔

جزیہ کے مصارف

جزیہ کے مصارف وہی ہیں جو خراج کے ہیں۔ (کما فی کتب الفقہ)

وقف

وقف کے معنیٰ ہیں کسی منقولہ یا غیر منقولہ شیئ کو اپنے ذاتی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ کی ملک میں کر دینا تاکہ اس کا نفع دائماً وقف کی حسب خواہش بندگانِ خدا کو ملتا رہے۔ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ ہمیشہ (تا وجودِ موقوف) اس کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور بہتر وقف وہی ہے جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو جس کا نفع بھی زیادہ ہو۔ مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ قائم کرنا اور اسے دین کے لیے وقف کرنا کہ اس سے اہل علم استفادہ کرتے رہیں اور وقف

کرنے والے کو ثواب ہوتا رہے۔

اسی طرح مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لیے جائداد اور زمین، دکانیں و باغات وقف کرنا تاکہ اس کی ضروریات خود بخود پوری ہوتی رہیں جس سے اس کا وجود ہمیشہ کے لیے قائم رہے یہ نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہے۔ اس کے بعد مساجد کا قیام و تعمیر اس کے باقی رفاعی اداروں کی تعمیر ہے جو جائداد فقراء المسلمین پر وقف کی گئی، وہ بیت المال کی تحویل میں ہوگی جہاں سے فقراء المسلمین امداد پاتے رہیں گے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں میں اپنی آخرت سنوارنے کا جذبہ خوب تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جائدادیں نیک کاموں اور دینی اداروں کے لیے وقف کرکے انہیں خود کفیل بنا کر دین و دنیا میں بلند مقام حاصل کر جاتے تھے، مگر آج بخل و کنجوسی کا خوب دور دورہ ہے، جائدادیں بنانے اور سمیٹنے کا جذبہ و رجحان ترقی پر ہے۔ خداتعالیٰ اس مادہ پرستی اور ہوس ناکی سے بچا کر مسلمانوں کو پھر سے وہی جذبۂ کہن عطا فرمائے۔ آمین ؎

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — میرا عشق میری نظر بخش دے

کراء الارض

کراء الارض حکومت کی مملوکہ اراضی کا سالانہ کرایہ اور لگان ہے جو کاشت کاروں پر عائد کیا جاتا ہے۔ ایسی زمینوں کو اسلام کی اصطلاح میں ارض المملکۃ یا ارض الحوزہ کہتے ہیں اور جو لاوارث زمین ہو کہ جنگ سے مفتوح ہو کر وقف علی المسلمین ہوگئی، اس کی بھی آمدنی بیت المال میں جاتی ہے اور جنگ سے مراد کفر و اسلام کی جنگ ہے کہ ایک طرف کفار ہوں اور دوسری طرف سے مسلمان اعلاء کلمۃ کے لیے لڑے ہوں، اس کے سوا کوئی اور وجہ جنگ نہ ہو ؎

یہی دینِ محکم یہی فتح باب !
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب !

عشور ایران اور روم کی سلطنتوں کا دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر مالِ تجارت لے کر ان کی سرحد میں داخل ہوتا، تو وہ اس سے محصول (کسٹم ڈیوٹی) لیا کرتے تھے اور اگر وہ سال میں متعدد بار آمد و رفت رکھتا، تو ہر بار محصول لیتے لیکن جب غیر مسلم اسباب تجارت لیکر آتا اسلامی مملکت اس سے کوئی محصول نہیں لیتی تھی۔ اس صورتِ حال سے غیر مسلم تاجر فائدے اور مسلم تاجر خسارے میں رہتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، نے جب امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس بارے میں خط لکھا، تو آپ نے فرمان جاری کیا کہ تم بھی ان سے کسٹم ڈیوٹی لیا کرو، اسے اسلامی اصطلاح میں عشور کہتے ہیں۔

خذ انت منهم كما ياخذون من تجار المسلمين۔	تم بھی غیر مسلم تاجروں سے ٹیکس لیا کرو جیسے وہ مسلمان تاجروں سے لیتے ہیں۔
(کتاب الخراج ص۱۳۵)	

اور اس فرمان میں مسلمان تاجروں سے محصول لینے کا حکم بھی شامل تھا۔ لیکن اس طرح کہ غیر مسلم ذمی سے کل مال لے کر گزرے، بیسواں حصہ اور غیر مسلم حربی سے دسواں اور مسلمان سے چالیسواں (وہی زکوٰۃ کا) حصہ لیا جائے۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی درج تھی جس مال کا مسلمان سے چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں حصہ لیا جائے، اس کی مالیت دوسو درہم سے کم نہ ہو اور اگر کم ہو، تو اس سے کوئی کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے۔ اگر کوئی شخص بہت سے مال کو اس قدر کئی قسطوں میں کر کے لے جائے جس کی مالیت دوسو درہم سے کم ہو، تب بھی اس سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ نیز یہ بھی کہ جس مال سے ایک بار کسٹم ڈیوٹی لی جائے اگر اسے تاجر واپس لے جا کر پھر دوبارہ لے آئے جب بھی اس مال سے کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے جب تک کہ وصولی کو سال نہ گزرے۔ البتہ غیر مسلم حربی سے ہر بار کسٹم ڈیوٹی وصول کی جائے گی۔ غیر مسلم ذمی اور مسلمان تاجر سے، دونوں سے نہیں۔ نیز اس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ اگر مسلمان

تاجر اس بات کا حلف اٹھائے کہ اس مال کی اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے، تو اس سے بھی کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے۔ (کتاب الخراج صـ۱۳۳/۱۳۴)

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کو عوام کی حالت سدھارنے اور ان کی معیشت کو بہتر بنانے میں کس قدر احساس ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت میں ملک کے عوام سے جو جذبہ صادقہ کارفرما ہے، اسے ایک حقیقت بیں کی آنکھ دیکھ کر تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتی ہے لیکن جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی عینک چڑھا رکھی ہو، انہیں اس حقیقت کا ادراک کیسے حاصل ہو سے

کیا خبر اس کو ہے یہ راز کیا؟
دوست کیا ہے، دوست کی آواز کیا؟

فائدہ راقم کی رائے میں ادائیگیٔ زکوٰۃ کا سرٹیفکیٹ یا رسید کا مصدقہ کاغذ بھی پیش کرنا فی زمانہ مزید موجب حصولِ طمانیت ہوگا کہ آج کے مسلمان جھوٹی قسم اٹھانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور یہ سرٹیفکیٹ یا رسید کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کی طرف سے مصدقہ ہو۔

عشور (کسٹم ڈیوٹی) کی شرعی حیثیت عشور یعنی کسٹم ڈیوٹی جو مسلمان سے لی جائے وہ زکوٰۃ اور جو ذمی و حربی غیر مسلم سے لی جائے وہ خراج متصور ہوگی، چنانچہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

وکل ما اخذ من المسلمین من العشور فسبیلہ سبیل الصدقۃ وسبیل ما یوخذ من اھل الذمۃ جمیعا و اھل الحرب سبیل الخراج۔ صـ۱۳۴	اور جو عشور مسلمانوں سے لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے طور اور جو غیر مسلم ذمیوں اور حربیوں سے لیا جاتا ہے، وہ خراج کی مد سے متصور ہوگا۔

یعنی ہر ایک کو متعلقہ مد میں جمع کر کے اس کا حساب واندراج اسی کے ساتھ رکھا جائیگا۔

ضرائب ضرائب (ہنگامی ٹیکس) بھی بیت المال کے لیے ہوتے ہیں۔ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو جائے اور بیت المال خالی ہو اور لوگوں کو ان کی ضروریات میسر نہ آ رہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قومی اندیشہ منڈلا رہا ہو اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے، لیکن بایں ہمہ ملکی ضرورت پوری نہ ہو رہی ہو یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قومی اندیشہ بدستور باقی ہو، تو اس صورت میں سرمایہ داروں پر ہنگامی اور وقتی ٹیکس لگائے جائیں گے، ان کا نام ضرائب ہے، ان سے جنگی اور غریب و پریشان حال لوگوں کی معاشی ضرورت پوری کی جائے گی، بجائے اس کے کہ ہم غیر ملکوں سے قرض کی بھیک مانگتے پھریں۔ اپنے ملک کے دولت مندوں سے ان کے حسبِ استطاعت وقتی ٹیکس لے کر ملکی معیشت وضرورت کو سنبھالا دیا جا سکتا ہے، بلکہ ہمارے اسلاف کی روایت تو یہ ہے کہ اہل ثروت وغنی لوگ اپنی صداقتِ نیت اور خلوص للہیت کی بناء پر معاشی بدحالی اور غربت وفقر میں مبتلا لوگوں کی خود ہی خبر گیری کرتے اور ان کی اس حد تک معاونت فرماتے تھے کہ افلاس و غربت کے مارے ہوؤں کو زبان پر حرفِ شکایت لانے کی ضرورت ہی کم محسوس ہوتی تھی۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی!
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی!

ضرائب ہنگامی امداد سے اگر اہل استطاعت گریز کرنے لگیں، تو حکومت اسلامیہ ان سے جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وللامام ان یفعل ذالك	یعنی سربراہ مملکت ملک کے وفادار
فی مال العادل عند الحاجة	دولت مندوں کے مالوں میں ہنگامی ٹیکس
ففی مال الباغی اولی دالمعنیٰ	عائد کرنے کا حق رکھتا ہے، تو وہ ملک

فیہ الحاق الضرر الادنیٰ لدفع الاعلیٰ۔

(ھدایہ شریف۔ ج ۱۔ ص۵۸۵)

کے بے وفاؤں (جو ملکی ضروریات میں استطاعت کے باوجود تعاون نہیں کرتے بلکہ آمادہ بر فساد رہتے ہیں) کے مالوں میں ضرر اعلیٰ کے دفع کو تصرف کر سکتا ہے۔

اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط شریف میں ہے کہ حرب ہوازن میں ضرورت درپیش تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے کچھ زرہیں اس کی بلا اجازت استعمال کے لیے لے لی تھیں۔ (مبسوط ج ۱۰ ص۱۲۶)

نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں

لیکن نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں عوام پر بلا جواز مسلط کرتی ہیں۔ یہ سراسر عدل و انصاف کے خلاف اور خالص جبر و ظلم ہے اور یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ ٹیکس محض مقتدر ہستیوں کی عیاشیوں اور ہوس پرستیوں کو پورا کرنے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ اگر اہل اقتدار عیاشیوں اور ہوس پرستیوں سے باز آکر اسلامی زندگی اختیار کریں، تو غریبوں پر اس قدر ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ نہ لادنا پڑے۔

قارئین! غور فرمائیں کہ جس ملک کے سربراہ کی یہ حالت ہو:

"جو ملک کے خزانے سے اپنے لیے ایک کروڑ دس لاکھ روپے سالانہ یعنی تیس ہزار روپے روزانہ وصول کرتا تھا اور دوسرے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ پاکستان کے خزانے سے انہوں نے اپنے لیے بیس لاکھ روپے کی ایک کار خریدی جس کا نام مرسیڈیز ۶۰۰ ہے۔"

(ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" ۱۲ر فروری ۱۹۷۷ء ص۱۲)

اور جس سربراہ کی یہ حالت ہو:

"دفتر خارجہ کے سفارتی ذرائع سے اور حکومتِ پاکستان کے خرچ پر

نیویارک سے پانچ سو ڈالر کے سوٹ، لندن سے ایک سو ڈالر کی قمیض،
روم سے ایک سو ڈالر کے بوٹ اور پیرس سے معدنی پانی منگوایا جاتا تھا
اس کے علاوہ اس کی پسندیدہ چائے سنگاپور سے منگوائی جاتی تھی۔"

(نوائے وقت لاہور"، ار رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ)

ایسے سربراہِ مملکت کو، مملکت اور عوام کا خیر خواہ کہنا چاہیئے یا بدخواہ، پھر عوام بھوکوں مر رہے ہوں اور سربراہ کی عیاشی کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے ملک اور وطنِ عزیز کا پانی پینا بھی پسند نہ کرتا ہو اور غیر ملکوں کا معدنی پانی نوش کرے ؎

ہم کو میسّر نہیں مٹی کا دیا بھی !!
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

بہر صورت قرآن و سنّت، اسلام اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے نظامِ حیات میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں، جب تک کہ خزانے میں کچھ موجود ہو، درِ مختار طبع انڈیا مطبع احمدی میں ہے:

وکرہ الجعل ای اخذ المال من الناس لاجل الغزاۃ مع الفیئ ای مع وجود فیئ فی بیت المال۔ ص۳۴۷	یعنی مجاہدین کے لیے لوگوں سے ضروریات کا سامان پکڑ لینا اس وقت تک ناجائز ہے، جب تک کہ بیت المال میں کچھ موجود ہے۔

اور خزانہ تو مسلمانوں ہی کی ضرورت کے لیے ہے لان بیت المال معد لنوائب المسلمین (شامی۔ ج ۴۔ ص۱۲۷) حکام کی عیاشیوں کے لیے نہیں۔ علامہ امام ابن عابدین درِ مختار کی بالا مسطورہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

وللامام ان یکلف الناس بان یقوی بعضہم بالکراع	کہ حاکم جنگی ضرورت کے وقت (جبکہ خزانے میں کچھ نہ ہو) ضرورت مندوں کے لیے

الی الخیل والسلاح وغیر ذالك من النفقة والزاد۔ (رد المختار ج ۴۔ ص ۱۲۷)

صاحب استطاعت لوگوں سے جبری طور پر سواریاں واسلحہ اور سفر خرچ دلوا سکتا ہے۔

اسی طرح ہدایہ وفتح القدیر وعنایہ میں ہے وما وظف الامام لتجهیز الجیش وفداء الاساری الخ (ج ۳۔ ص ۱۲۵ و ج ۷۔ ص ۲۲۲ و ج ۷۔ ص ۲۲۲/۲۲۱) اور ضرورت کے پورے ہوئے بعد ٹیکس کے بغیر اصلی اشیاء جو جبراً لی گئی تھیں، تو مالکوں کو واپس کردی جائیں گی اور اگر کوئی چیز ضائع ہو گئی تو مالکوں کو اس کی قیمت دی جائے گی، چنانچہ مجمع الانہر میں ہے:

بشرط الضمان فاذا زالت الحاجة یرد ان کان قائما والا فقیمته، (ج ۱۔ ص ۶۴۲)

یعنی بشرط ضمان پھر رفع ضرورت کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو وہی مالک کو لوٹا دی جائے گی، ورنہ اس کی قیمت۔

اسلام جان اور مال کا تحفظ دیتا ہے

یہ اس لیے کہ ہمارا دین، دین اسلام ہے اور یہ مسلم ہے کہ اسلام جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے۔ دارالاسلام میں ہر شخص کی جان، مال واجب الاحترام اور واجب العصمۃ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عصموا منی دماء هم و اموالهم (مشکوٰۃ۔ ج ۱۔ ص ۱۲)

کہ میں ہر مسلمان کو جان و مال کا مکمل تحفظ دینے کا ذمہ دار ہوں۔

اور جان و مال وعزت وناموس کا صحیح محافظ اسلام یعنی نظام مصطفےٰ ہی ہو سکتا ہے بلکہ اسلام تو دارالاسلام میں موجود پناہ گزین غیر مسلموں کو جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کیسا عادلانہ نظام حیات ہے کہ ذاتی ملکیت کو تحفظ دیتا ہے اور حاجت مندوں کی ضروریات کا کفیل بھی ہے۔ ایسے عظیم الشان اور حیات افزا نظام مقدس کے ہوتے ہوئے کیپٹلزم اور سوشلزم ایسے رسوائے زمانہ نظام بے معنی ہو کر

رہ جاتے ہیں ؎

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

فیئ اگر کفار مسلمانوں کے لشکر سے خائف و مرعوب ہو کر مال چھوڑ کر بھاگ جائیں اور وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگے، اسے فیئ کہتے ہیں اور اس کے بھی تین حصے کیے جاتے ہیں۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

وابوحنیفۃ یقسمہ اثلاثاً۔ کہ امام ابوحنیفہ اسے تین حصوں میں بانٹنے کا فرماتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱۔ ص۲۲۴)

خمسِ غنیمت مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ فقراء و مساکین اور یتیموں کے لیے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔

صدقات صدقات نافلہ اور فقراء و مساکین اور یتیموں کے لیے نذر کیے ہوئے اموال بھی بیت المال میں جمع ہوتے ہیں جہاں سے مستحقین کو دیے جاتے ہیں۔

اموالِ فاضلہ یہ متفرق آمدنیاں:

۱۔ لاوارث لوگ فوت ہو جائیں اور اپنے پیچھے جائداد چھوڑ جائیں۔ ۲۔ مرتد کے زمانۂ ارتداد کا کمایا ہوا مال۔ ۳۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت بحق بیت المال ضبط کر لی جاتی ہے۔ یہ سب اموالِ فاضلہ ہیں جو بیت المال میں رکھے جاتے ہیں۔

کانیں زمین کے وہ خزانے جو قدرت نے اس میں پیدا کیے اگر سرکاری زمین میں دستیاب ہوئے تو کل بیت المال کے لیے ورنہ پانچواں حصہ بیت المال کے لیے۔ حدیث شریف میں ہے وفی الرکاز الخمس کہ قدرتی خزانۂ ارضی میں خمس ہے۔ (کما فی الہدایہ ج ۱ ص۱۶۲)

دفینے کسی زمین دفن کیا ہوا مال دفینہ کہلاتا ہے، اگر یہ کسی کو دستیاب ہو اور اس کا مالک بھی کوئی نہ بنے، تو چار حصے دستیاب کرنے والے کے اور پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے (کما فی البدایۃ)

سواری ٹیکس بسوں، ٹرکوں، کاروں، سکوٹروں، موٹر سائیکلوں اور تانگوں پر ٹیکس وغیرہ، لیکن اس کی موجودہ مقدار زیادہ ہے، اسے کم کرنا ہوگا اور اگر اس کے بغیر مملکت کا کام چل سکے، تو اس ٹیکس کے عائد کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب اسلام کا نظام حیات مکمل طور پر نافذ ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسی برکتیں نازل فرمائے گا کہ سواری ٹیکس جیسے بوجھوں کی مصیبت سے قوم کو نجات مل جائے گی ؎

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش !
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!

ذرائع مواصلات سرکاری بسیں، گاڑیاں (ریلوے) جہاز اور محکمۂ ٹیلیفون اور محکمۂ ڈاک کی آمدنی۔

برقیات بجلی (الیکٹرک) کی آمدنی

سیاحت وزیارت اسی طرح غیر ملکیوں کی سیاحت و زیارت کی آمدنی۔

تجارت بنکوں سے سودی نظام کو ختم کر کے انہیں شریعت کے مطابق مضاربت و شارکت کے اصولوں پر چلایا جائے گا، اس کے منافع بھی بیت المال میں جمع ہوں گے۔

صنعت اسی طرح سرکاری فیکٹریاں بھی جو آمدنی پیدا کرتی ہیں، اس سے ورکروں کی زندگی خوشحال بنانے کے بعد فاضل آمدنی بھی بیت المال

میں جمع ہو۔ مملکتِ اسلامیہ کی مندرجہ بالا پیداواری مدّت اور ذرائع آمد بہت وسیع ہیں، ان کے مقابلے میں اخراجات محدود ہیں، اگر ملکی معیشت پر عیاش و فضول خرچ کی بجائے قناعت پسند و امانت دار قیادت کا کنٹرول ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں غربت و افلاس باقی رہ جائے ؎

اس قدر ہو گی ترنّم آفریں بادِ بہار !
نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی

کورٹ فیس کی ممانعت

کورٹ فیس چونکہ حصولِ انصاف کی فیس ہے، اس لیے یہ جائز نہیں۔ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی گنجائش نہیں، اسے ختم کر دیا جائے تاکہ ہر شخص کو انصاف کے مواقع مفت حاصل ہوں۔

گزارہ الاؤنس اور تنخواہیں

اسلام کا معاشی نظام اس لحاظ سے بھی دنیا بھر کے نظاموں سے اعلیٰ و برتر ہے کہ اس میں لوگوں کی معاشی کفالت کا پورا اہتمام ہے، حتیٰ کہ اس میں نومولود بچے تک کو گزارہ الاؤنس دیا جاتا ہے اور اسلام نے اس وقت یہ اقدام کیا۔ جبکہ روئے زمین پر کسی بھی معاشرے میں اس کا تصور تک نہیں ملتا تھا، اگر آج کسی غیر اسلامی معاشرہ میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو وہ اسلامی معاشرہ کی تقلید میں ہی ہے: لہٰذا حقوقِ انسانی کے تحفظ و نگہداشت کا سہرا خادمانِ اسلام کے ہی سر ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں وظائف کا نظم و نسق کئی ایک شعبوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک شعبہ کے لیے الگ الگ حساب و کتاب رکھا جاتا ہے۔

فوج کی تنخواہ

فوج کے جوان جو فوجی خدمت و حاضری پر ہیں، ان کے لیے باقاعدہ ماہانہ تنخواہ ہوتی ہے۔ فوج کی تنخواہیں باضابطہ طور پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری فرمائیں۔ یہ تنخواہیں اس قدر ہوتیں کہ فوجیوں کے

روزمرہ کے ضروری اخراجات بآسانی پورے ہوتے۔ یہاں تک کہ جب کسی فوجی کے ہاں کوئی بچہ جنم لیتا، تو اس کی تنخواہ کے ساتھ اس کے بچے کا ماہانہ وظیفہ بھی جاری کیا جاتا اور بچوں کے وظائف صرف فوج کے لیے ہی نہیں۔ سب کے لیے ہوتے تھے، کیونکہ اسلام کے معاشی نظام کا سایۂ رحمت سب کے لیے یکساں ہیں، اس کی نگاہ میں چھوٹا بڑا ایک سا ہے ؎

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

شیر خوار بچہ کا وظیفہ

بشر بن غالب سے روایت ہے کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ نومولود بچوں کا وظیفہ کب سے جاری ہوگا؟ انہوں نے فرمایا اسی وقت سے جبکہ وہ پہلی آواز نکالے (کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۹۹)

حضرت عبداللہ عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے، جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑایا جاتا، لیکن بعد میں انہوں نے اعلان جاری کیا کہ:

> لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کیا کرو، ہم ہر مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کا وظیفہ جاری کریں گے اور یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان کے ہر بچہ کا اس کی پیدائش ہی سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

(کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۴)

عمر کے ساتھ بچہ کے وظیفہ میں اضافہ

محمد بن ہلال المدینی اپنے باپ کی وساطت سے

۔ اپنی دادی کے بارے میں روایت کرتے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں ۔ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ نظر نہ آئیں، تو آپ نے اپنے گھر والوں سے دریافت کیا کہ فلاں خاتون دکھائی نہیں دیتیں کیا وجہ ہے ؟ ان کی اہلیہ نے عرض کی کہ آج رات اس کے ہاں بچہ ہوا ہے ۔ حضرت عثمان نے (باوجودیکہ اس کی طرف سے کسی قسم کی درخواست تک نہ بھیجی گئی تھی، خلیفہ نے محض اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے) محمد بن ہلال کی دادی کے پاس پچاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور فرمایا کہ یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور چادر سے اس کے کپڑے بنا لے جب یہ بچہ ایک سال کا ہوگا ہم پچاس کی بجائے اس کا وظیفہ سو درہم کر دیں گے ۔ (کتاب الاموال ۔ ج ۱ صفحہ) ۔

ہے سوزِ دروں سے زندگانی
اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

خلیفۂ وقت کو جب کسی بچے کی ولادت کا علم ہوتا تو وہ درخواست طلب کیے بغیر اس کا وظیفہ جاری کر دیتے

امام ابواسحاق اپنے دادا اخبار سے راوی ہیں کہ ان کا گزر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سے ہوا، تو حضرت عثمان نے ان سے پوچھا بڑے میاں ! آپ کے کتنے بچے ہیں ؟ انہوں نے عرض کی کہ امیر المومنین میرے ساتھ کنبہ ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا ہے (راوی کو یہ مقدار یاد نہ رہی) اور تمہارے بال بچوں میں سے ہر ایک کے لیے سو سو درہم مقرر کیے ۔ (ایضاً صفحہ) ۔

غربت کی ہوا میں بارور ہو !!
ساقی تیرا نم سحر ہو !!

اسلام کے معاشی نظام کی بے مثال

میت کا ترکہ وارثوں کے لیے اور اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا قرض حکومت کے ذمہ

خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں سماجی تحفظ کا خوب اہتمام کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی مر جائے، تو اس کا ترکہ وارثوں کا ہوگا، مگر اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا قرض مملکتِ اسلامیہ کے بیت المال (خزانہ) کے ذمہ ہوتا ہے؛ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فمن توفی من المومنین فترک دیناً فعلی قضاءہ ومن ترک مالاً فھو لورثتہ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ ج ۱ ۔ ص ۲۵۲)	کہ جو مسلمان فوت ہو گیا اور اس کا قرضہ ہو تو (سربراہِ مملکت کی حیثیت سے) اس کی ادائیگی میرے (خزانے کے) ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے، وہ اس کے وارثوں کیلئے ہے۔

یعنی مرنے والے کا اگر ترکہ ہو تو اس کا قرض اس کے ترکہ سے ادا ہوگا۔ اور اگر قرض نہ ہو تو وہ ترکہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ ہاں مال و ترکہ اگر کچھ نہ ہوگا اور قرض ہی قرض ہوگا، تو وہ بحکم امیر المومنین سرکاری خزانے سے ادا ہوگا۔ یہ حکم عام ہے کہ امیر المومنین رعایا کے لیے باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور باپ کی شفقتِ پدری ادائیگی قرض کا باعث ہے۔ اس حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ ہم نے بین القوسین حیثیت کی قید لگا کر اس حکم کے عموم کی طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انا اولیٰ بالمومنین من انفسھم فمن مات وترک مالا فمالہ	میں مسلمانوں کے ان کی جانوں کے زیادہ قریب ہوں، جو مسلمان مر جائے اور

مقروض کی نمازِ جنازہ

شروع شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے پرہیز فرماتے تھے، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ مقروض میت جس نے جائز ضرورت کی بنا پر قرض لیا تھا، اس کی نمازِ جنازہ پڑھایا کریں اور جس نے خلافِ شریعت کاموں میں خرچ کرنے کو قرض لیا تھا، اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں، چنانچہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نمازِ جنازہ نہ پڑھاتے تھے۔ ایک انصاری کا انتقال ہوگیا اس پر کسی کا قرض تھا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اس پر قرض ہے؟ عرض کی گئی کہ "ہاں ہے" فرمایا تم خود ہی اس کی نمازِ جنازہ پڑھ دو، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا:

اِنَّمَا الظَّالِمُ عِنْدِی فِی الدُّیُوْنِ	میرے نزدیک قرضوں کے معاملے میں
الَّتِیْ حُمِلَتْ فِی الْبَغْیِ وَالْاِسْرَافِ	وہی شخص ظالم ہے جس کے قرضے ناجائز کاموں
والمعصیۃِ فَاَمَّا الْمُتَعَفِّفُ	فضول خرچیوں اور خلافِ شرع کاموں کے
ذُوالعیالِ فَاَنَا ضَامِنٌ اَنْ	لیے گئے ہوں اور جو عیالدار ضرورت مندجو
اُؤَدِّیَ عَنْہُ فَصَلّٰی عَلَیْہِ	کاموں کے لیے قرض لیتا ہے اس کا قرض
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	میں آپ ہی ادا کروں گا، تو آنحضرت صلی اللہ
وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْ تَرَكَ	علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور
ضیاعًا اَوْ دَیْنًا فعَلَیَّ الخ	فرمایا کہ جو شخص قرض اور ضروریات چھوڑ جائے
(ج ۱۲ صـ۱۱۳)	اس کی ادائیگی اور ذمہ داری میں اٹھاتا ہوں۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ بعض اہلِ علم کا اس حدیث سے استنباط نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

یَجِبُ عَلَی الْاِمَامِ اَنْ یَقْضِیَ — کہ امام و حاکمِ وقت کا فرض ہے کہ آنحضرت

مِنْ بَيْتِ الْمَالِ دَيْنَ الْفُقَرَاءِ اقْتِدَاءً بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ج ۱۲ ص ۱۱۳)

صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ادائیگی قرض کی استطاعت نہ رکھنے والے حضرات کا قرض بیت المال سے ادا کرے۔

جن کو سوئے آسماں پھیلا کے جل تھل بھر دیے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

لہذا ناداروں کے قرض جو ضروریاتِ زندگی کے لیے حاصل کیے گئے، فضول خرچی اور گناہ و خلافِ شرع کاموں کے لیے نہیں۔ ان کی ادائیگی بیت المال سے ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں چونکہ باقاعدہ بیت المال نہ تھا، اس لیے اسکی ادائیگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فرما دیتے تھے۔ چونکہ آپ کی حیثیت ایک نبی برحق اور رسولِ برحق کے علاوہ اسلامی ریاست کے سربراہ کی بھی تھی، اس لیے اسے آپ کی خصوصیت قرار دینے کی بجائے عموم پر رکھا جائے اور ملک کے ناداروں کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری ملک کے بیت المال (خزانے) پر عائد کی جائے گی۔

اگر سربراہِ مملکت اور حکومت اپنے ملک کے ناداروں کی خبر گیری نہ کرے اور ان کے قرضے نہ اتارے تو نادار کہاں جائیں اور کس سے کہیں ؎

غریبم درمیان محفلِ خویش!
تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش!

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا!
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

لموالی العصبة ومن ترك كلا اوضياعاً فانا ولیه فلادع له۔
(ج ۲ ص۹۹۸/۹۹۹ طبع مجتبائی)

مال چھوڑ جائے، وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو قرض یا محتاج کنبہ چھوڑ جائے اس کے اخراجات کی ذمہ داری مجھ پر ہے تم مجھے یاد کیا کرو۔

کتاب الاموال میں ہے کہ جو شخص (قرض یا عیال داری کا) بار چھوڑ کر مرے گا، وہ ہمارے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا، وہ اس کے وارثوں کا ہو گا (ج ا ص۲۹۹)

؎ حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطوں
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت عرب کا سوزِ دروں

علماء واساتذہ، ائمہ ومؤذنین اور طلباء علمِ دین کے وظائف

علمائے کرام وائمہ وخطباء

اور مؤذنین کے وظائف باقاعدہ و باضابطہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری فرمائے تھے اور وہ اسلامی مملکتوں میں بھی جاری رہے، کیونکہ علماء و فقہاء و اہلِ علم حضرات جو قرآن وحدیث اور دیگر علومِ اسلامیہ کی خدمات انجام دیتے ہیں اور جو ان علوم کے سیکھنے میں مصروف ہیں اور اسی طرح جو دنیاوی علوم و فنون کے مفیدہ کے معلم و متعلم ہیں، ان کے وظائف بھی ان کے حسبِ شان مقرر ہوتے ہیں۔

علماء اگرچہ دین کے علوم کی تعلیم اور فرائض کی بجاآوری خالص اللہ کے لئے کرتے ہیں؛ تاہم اسلام کے نظام میں پابندئ اوقات کا ان کو معقول مشاہرہ دیا جاتا ہے جو ملکی افسروں اور وزیروں کے برابر ہوتا ہے تاکہ کسی دنیوی جذبے سے لوگ اپنے بچوں کو علمِ دین پڑھانے کی طرف مائل ہوں اس سے علومِ دینیہ کی تجدید و ابقاء میں مدد ملتی ہے اور اگر علماء کا وقار اور ان کے مشاہرے نسبتہ کم ہو گئے تو لوگ اپنے بچوں کو علمِ دین پڑھانے سے گریز کریں گے جس سے ملک وملت اور اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان

پہنچے گا جس کا مشاہدہ اب ہم کر چکے ہیں، نیز علمائے کرام کا فکرِ معاش سے آزاد ہونا ملک و ملت کی اولین ضرورت ہے ؎

اس جہاں میں اک معیشت اور سو افتاد ہے
روح کیا اس دیس میں اس فکر سے آزاد ہے

فقرا و مساکین اور بے روزگاروں کے لیے گزارہ الاؤنس

اسلامی نظام نے فقراء، مساکین اور بے روزگاروں کے ماہانہ وظائف مقرر کیے ہیں، اس میں نادار، بے روزگار، مریض، بوڑھے معذور، یتیم اور بیوگان سب شامل ہیں، حکومتِ اسلامیہ کا بیت المال سب کی ضروریاتِ زندگی بقدر ضرورت تک کفیل ہوتا ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مستحقین کی خوراک کی مقدار مقرر کرنے کے لیے اچھی خوراک کھانے والے چند آدمیوں کو بلا کر انہیں دو وقت کا کھانا کھلایا اور اسی حساب سے ہر شخص کی خوراک بیت المال سے ماہانہ طور پر مقرر کر دی۔ کتاب الاموال میں سفیان بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں مدی اور قسط دو پیمانے لے کر فرمایا: میں نے ہر شخص کے لیے ماہانہ ایک مدی (ایک من چھتیس سیر) گندم دو قسط (سوا چار سیر) زیتون کا تیل مقرر کر دیا ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ غلاموں کا بھی؟ فرمایا ہاں غلاموں کا بھی (ج ۱ صفحہ ۱۶۲)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دینا

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا:

فاجزل لھم فی العطاء والرزق لایحتاجون ص ۱۱۳ کہ علماء کے وظائف بھاری مقرر کیجیے تاکہ وہ معاشی فکر و احتیاج سے بالاتر ہو کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ چنانچہ فاروقِ اعظم نے اس پر عمل کیا اور علماء کے بھاری مشاہرے مقرر کر کے انہیں فکرِ معاش سے مستغنی کر دیا۔

قرآن مجید پڑھنے پر وظیفہ

سعید بن ابراہیم سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو فرمان بھیجا کہ "لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو" گورنروں نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی ہے اور کچھ ایسے لوگوں نے بھی قرآن مجید سیکھنا شروع کر دیا جنہیں سوائے وظیفہ کے اور کوئی کشش تعلیم قرآن کے حصول میں نہیں ہے (اور یہ اچھی بات ہے کہ کسی طرح قرآن تو سیکھ لیں گے) آپ نے پھر لکھا کہ لوگوں کو شرافت و مروت اور نیک صحبت کی بنا پر بھی وظیفے دو۔ (کتاب الاموال ج ۱ صـ۴۶۸)

اسید بن عمرو سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ (ایک گورنر حضرت) سعد رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھے گا میں اس کا نام دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا، تو انہوں نے کہا کہ اُف اُف کیا (یہ زمانہ بھی ہمیں دیکھنا پڑا کہ) کتاب اللہ (کے علم کو اسلامی جذبے سے نہیں محض وظیفے کے طمع سے) پڑھنے پر (بھی) وظائف دیے جائیں گے۔ (کتاب الاموال ج ۱ صـ۴۲۹)

تعلیم قرآن پر تنخواہ

ابو غیلان سے مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد اشعری کو دیہاتی لوگوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے بھیجا اور ان کے لیے تنخواہ مقرر کر دی۔ مگر حارث نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اطلاع دی گئی، تو آپ نے جواب میں لکھا کہ یزید نے جو کچھ کیا (کہ تعلیم قرآن پر تنخواہ قبول کر لی) اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی اور ہماری دُعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے اندر حارث جیسے (بے لوث خدمت کرنے والے) لوگوں کی کثرت کرے۔ (کتاب الاموال ج ۱ صـ۴۲۸)

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

تعلیمِ حدیث پر معاوضہ

جس طرح دوسرے علوم کی تعلیم و تدریس پر اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح تعلیم و تحدیثِ حدیث پر بھی معاوضہ و اجرت لینا جائز ہے۔ چنانچہ صاحب المجتبیٰ امام عبدالرحمٰن نسائی علیہ الرحمۃ کے شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ حدیث کی روایت پر اجرت لیتے تھے۔ المجتبیٰ یعنی سنن امام نسائی میں ہے:

کان یعقوب لا یحدث بھذا الحدیث الا بدینار (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۱)

یعنی شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ ایک دینار لے کر ہی اس حدیث کی روایت کرتے تھے۔

اور وہ حدیث جسے یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ دینار لے کر روایت فرماتے تھے یہ ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منہ (نسائی ج ۱ ص ۲۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص رُکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے، پھر اس میں نہائے (یعنی پیشاب نہ کرے کہ اس میں نہانا پڑیگا)

جو علمائے قومی و دینی کاموں پر مامور ہیں، ان کی معاشی کفالت حکومت کے ذمہ ہے

جو علمائے قومی اور دینی کاموں پر مامور ہیں، اُن کی معاشی کفالت حکومت کے ذمہ ہے، چنانچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن میں کسی کام کے لیے بھیجا، جب واپس آئے، تو حضور نے انہیں اس خدمت کا صلہ دیا۔ کما فی النسائی اسی طرح بیہقی میں امام زہری سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل بنایا تو ان کے لیے چالیس اوقیہ سالانہ مقرر فرمائے اور ایک اوقیہ

چالیس درہم کی ہوتی ہے (عنایہ شرح ہدایہ ج ۱۰ ص ۲۷ طبع مصر)
الاختیار اور الہدایہ میں ہے:

وَیجُوزُ الاِجَارَۃُ عَلی التعلیم والامامۃِ فی زمَانِنَا و علیہ الفتوی لحاجۃِ الناسِ الیہ۔ (الاختیار ج ۲ ص ۶۰ والہدایہ ج ۳ ص ۳۰۳)	کہ تعلیم قرآن و حدیث وغیرہ اور امامت و اذان ایسے نیک کاموں (میں پابندیٔ اوقات) کا معاوضہ جائز ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ علماء کا درس و تدریس پر وظیفہ لینا بلاشبہ جائز ہے اور یہ دراصل پابندیٔ اوقات کا وظیفہ ہوتا ہے جس میں یہ درس و تدریس ایسی دینی خدمت انجام دیتے ہیں، اس پر علم فروشی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ علم فروشی کے معنی یہ ہیں کہ طمع و لالچ میں دیدہ دانستہ غلط بیانی کی جائے یا علم کی بات چھپا دی جائے، حالانکہ اس کے اظہار کا بھی وقت اور ضرورت ہو۔ اجرت لے کر وقت خرچ کرنا اور اوقات کی پابندی کرنا قابل معاوضہ چیز ہے۔ پس اسی کی اجرت اور اسی کا مشاہرہ ہوتا ہے۔ نہ یہ علم و فتویٰ فروشی ہے اور نہ ہی رشوت کہ یہ بلاشبہ جائز اور رشوت بلاشبہ حرام و ناجائز اس کا احادیث میں جواز وارد ہے جبکہ رشوت لینے کی مذمت و ممانعت ایک امر مسلّم ہے۔

رشوت کی ممانعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی اور اس پر بھی جو رشوت کا دلال ہے (ابوداؤد و ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و ترمذی عنہ وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ و احمد و بیہقی عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کی سفارش کرے اور وہ اسے کچھ ہدیہ دے اور یہ قبول کرلے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے پر آگیا۔ (ابوداؤد عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ) حکام کا معاملہ علماء کے معاملہ سے مختلف ہے اور دیگر

حاکم اور افسر کو ہدیہ دسول کرنا جائز

ہدیہ علماء کے لیے جائز اور حکام کے لیے ناجائز

نہیں. بلکہ یہ رشوت ہے جیسا کہ اکثر لوگ حکام کو ڈالی یا تحفہ اور گفٹ کے نام سے دیتے ہیں اور اس سے مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ہوگا، تو ہماری رعایت کریں گے۔ اگر اس کی چیز واپس کر دی۔ تو اسے تکلیف ہوگی۔ تو وہ اس کی چیز کو لے کر اس کی مناسب قیمت دے دے۔ کم قیمت دے کر لینا بھی جائز نہیں اور اگر کوئی اس چیز کو رکھ چلا گیا، اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ تو اس چیز کو بیت المال (قومی خزانے) میں بطور امانت داخل کر دے خود نہ رکھے، جب دینے والا معلوم ہو جائے، تو اسے واپس کر دے۔ اسی طرح حاکم کو رعیت سے قرض وعاریت لینا اور مفت کام کرانا بھی جائز نہیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۳۷۲)

واعظ و مفتی و مدرس و امام و خطیب مسجد قبول کر سکتے ہیں (جبکہ یہ کسی محکمہ کے افسر نہ لگے ہوں) ورنہ ان کے لیے بھی وہی مسئلہ ہے جو حاکم و افسر کے بارے میں گزرا کہ انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے، وہ ان کے علم و دین کا اعزاز ہے کسی چیز کی رشوت نہیں ہے۔ اگر مفتی کو فتوے کی رعایت کے لیے ہدیہ دیا کہ وہ اس کے حسب خواہش ہی فتویٰ دے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو، تو دینا لینا دونوں حرام اور فتویٰ بتانے کی اجرت بھی حلال نہیں، ہاں لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے، فتاویٰ شامی میں ہے:

وانما یحل علی الکتابۃ لانہا غیر واجبۃ علیہ۔ (شامی ج ۵ ص ۳۷۴) — اور فتویٰ لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے کہ لکھنا اس پر شرعاً واجب نہیں۔

اور یہ جو گزرا کہ شیخ یعقوب بن ابراہیم حدیث کی روایت پر ایک دینار اجرت لیتے تھے، اس کا محمل یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی کان رضی اللہ عنہ یاخذ الدینار علی تحدیث ذالک الحدیث کتابۃً لا علی نفس روایۃ الحدیث واللہ اعلم۔ نیز حکام وافسران کو ان کے جو رشتہ دار و احباب ان کے عہدہ سے بیشتر ہدیہ کرتے تھے، وہ اب

بھی لے سکتے ہیں، مگر معمول سابق سے زیادہ نہیں، ہاں اگر ہدیہ دینے والا اب مالی اعتبار سے ترقی کر گیا ہے اور ہدیہ میں اضافہ اسی مالی فراوانی کی بناء پر ہے، تو کل کے قبول کر لینے میں حرج نہیں ہے کہ مقصود اخلاص ہے طمع نہیں ؎

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے!
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را!

رشوت کی تعریف و حکم

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جسے ضرورت مند شخص اس شرط پر حاکم کو دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ دے یا کسی ایسے شخص کو اس شرط پر دے جو حاکم سے اس کا کام کرا دے گا (شامی ج ۵ ص ۳۶۲) اور اگر ایک شخص کسی کا کام بلا طمع کر دے، پھر وہ اسے کچھ دے، تو اس کے لینے میں حرج نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کراہت منقول ہے، وہ ان کے تقویٰ پر مبنی ہے (شامی ج ۵ ص ۳۶۲) یعنی یہ اگرچہ جائز ہے تاہم لینے والے کو اس سے پرہیز بہتر ہے۔

مجبوری و بے بسی میں رشوت کا مسئلہ

فقہاء اسلام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ ظالم و جابر آدمی سے اپنی جان و عزت بچانے یا اپنا حق وصول کرنے کے لیے بے بس و مجبور انسان رشوت دینے پر گنہ گار نہ ہوگا، بلکہ اس کی بجائے رشوت لینے والا ظالم ہی دوہرے گناہ میں ملوث اور عذاب کا مستحق ہوگا (فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۵ ص ۲۵۵)

ایک شبہ کا ازالہ

جب حاکم کو ہدیہ لینا جائز نہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حاکم اعلیٰ کی بھی تھی، تو آپ ہدیے اور تحفے کیوں قبول فرما لیتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (بنابر عصمت و عفت) یہ آپ کی خصوصیت ہے، چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

وَمِن خُصُوصِیّتِہٖ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام اَن ھٰذا یاد لہٗ مفادۃ انہٗ لیسَ للامام قبولُ الہدیۃ والّا لَمْ تکُنْ خُصُوصِیۃً ۔	کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لیے حاکم ہونے کے باوجود ہدیے جائز تھے، دوسرے حاکم کے لیے نہیں، ورنہ یہ خصوصیت نہ رہے گی۔

(درمختار مع الشامی ج ۵ ص۳۷۲)

غرضیکہ علماء کے وظائف بیت المال سے مقرر کیے جائیں گے اور سب مستحقین کو کر جن کے وظائف مقرر ہیں، دینے کے بعد فاضل سرمایہ دیگر ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کہیں قرض خواہ کو قرض کے طور پر اور کہیں مقروضوں کے قرض اتارنے میں وقس علیٰ ھذا کیونکہ سرمایہ کے ویسے پڑے رہنے سے اس کا ضرورت مندوں پر خرچ ہونا بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عمل

حضرت انس بن محمد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس آنے والے مال پر نہ دوپہر گزرنے دیتے تھے نہ رات۔ (کتاب الاموال، ج ۱ ص۲۱۴) ؎

دلِ بے نیاز یکہ در سینہ دارم !!
گدا را دہد شیوۂ بادشاہے

کتاب الاموال ص۲۱۴ میں اس روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مال کو تقسیم فرماتے اور مستحقین تک پہنچانے میں عجلت سے کام لیتے تھے۔ اگر آپ کے پاس مال صبح پہنچتا، تو آپ اسے دوپہر تک اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔ اسی طرح اگر مال شام کے وقت آتا، تو آپ رات سے پہلے اسے تقسیم فرما لیتے تھے اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے، مگر یہ کہ مجھ پر قرض ہو اور اسے ادا کرنے کے لیے میں نے کچھ بچا لیا ہو ؎

؎ کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی

کہ چرچا پادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ حنین سے واپسی پر میں بھی اور لوگوں کے ساتھ آپ کے ساتھ جا رہا تھا کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگ گئے اور آپ سے مانگنے لگے۔ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ کی چادر اس میں الجھ گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے میری چادر چھوڑا دو، فرمایا اگر ان کیکر کے درختوں کے پتوں، کے برابر بھی اونٹ یا مویشی ہوتے تو میں وہ بھی تم میں تقسیم کر دیتا اور تم دیکھ لیتے کہ میں نہ تو بخیل ہوں اور نہ دروغ گو اور نہ ہی بزدل۔

(کتاب الاموال ج ۱ ص۴۱۳)

سب مال ضرورت مندوں میں بانٹ دیا

صحیح ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں سے کچھ حاجت مند لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے مالی امداد کا سوال کیا، آپ نے انہیں حسب ضرورت عطا فرمایا انہوں نے پھر سوال کیا آپ نے عطا فرمایا۔ صحیحین میں ہے کہ یہاں تک کہ جو مال جمع تھا، سب دے دیا اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑا فرمایا ما یکون عندی من خیر فلن ادخرہ عنکم یعنی جو مال میرے پاس ہوتا ہے، اسے تم میں سے روک کر جمع کر کے نہیں رکھتا۔ (ترمذی ج ۲ ص۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فعل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ بیت المال (سرکاری خزانہ) ملک و قوم کی امانت ہے۔ مملکت کا سربراہ اور امیر ملک اسے مفاد عامہ کے لیے ہی مصرف میں لانے کا ذمہ دار ہے۔ اسے اس بات کی اجازت ہرگز نہیں کہ بیت المال یا قومی خزانے کو نفس پرستی اور اقربا پروری کا ذریعہ بنا لے۔ اس سلسلے میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ملاحظہ فرمایئے جو آپ نے

درسِ عبرت کے طور پر ہمارے لیے چھوڑی ہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے ایک قریبی رشتہ دار سے برتاؤ

امام ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قریبی رشتہ دار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مانگا، آپ نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر کے نکال دیا۔ کسی نے آپ سے عرض کی: یا امیرالمومنین فلانٌ سَأَلَكَ فَزَبَرْتَهٗ وَ اَخْرَجْتَهٗ فَقَالَ اَنَّهٗ سَأَلَنِیْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ فَمَا مَعْذِرَتِیْ اِنْ لَقِیْتُهٗ مَلِكًا خَائِنًا فَلَوْلَا سَأَلَنِیْ مِنْ مَالِیْ قَالَ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ بِعَشَرَةِ اٰلَافٍ۔

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۱۹)

کہ یا امیرالمومنین آپ کے فلاں قریبی رشتہ دار نے آپ سے سوال کیا، تو آپ نے اسے جھڑک دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے مجھ سے خدا کے مال (قومی و سرکاری خزانے) سے مانگا تھا تو اگر میں خیانت پسند حکمران خدا کے حضور پیش ہوا تو میرے پاس کیا عذر ہوگا؟ ہاں! وہ میرے ذاتی مال سے سوال کرتا تو میں اسے کچھ ضرور دیتا۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی مال سے دس ہزار کی رقم اس کے پاس بھیج دی۔

اس واقعہ و روایت میں تین باتیں قابلِ تقلید ہیں، ایک یہ کہ سربراہِ مملکت ایک ایسی شخصیت ہی ہونی چاہیئے جس کا دل و دماغ قرآن و سنت اور فقہ اسلام کے نور سے منور اور خوفِ خدا سے بھرپور ہو تاکہ امورِ مملکت میں اس کا ہر اقدام و تصرف خدا و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعِ امیر اور دیانت و امانت پر مبنی ہو، دوسری یہ کہ وہ بخل و کنجوسی کی وصفِ مذموم سے بھی منزہ و پاک ہو، تیسری یہ کہ قومی اور ملی مفاد کے تحفظ کے لیے اپنے اور پرائے سب کے لیے سختی اور درشتی کی ضرورت ہے ؎

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

قومی خزانہ جسے اسلامی فقہ میں بیت المال کہنا چاہیئے قوم کے لیے ہے۔ سربراہِ مملکت کو نہ صرف اس حقیقت کا علم ہونا ضروری ہے، بلکہ اسے اس بات کا فکر بھی دامنگیر ہونا چاہیئے کہ ملک کے عوام اس کے ہوتے ہوئے معاشی مصائب میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ اس سلسلے میں سیرت فاروقی کی ایک اور روایت قابلِ تقلید ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مسافر عورت کی امداد کو پہنچنا

امام ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت حسب معمول گشت پر تھے اور حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے کچھ دور آگ جلتی دیکھی۔ حضرت اسلم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات اور سردی کی وجہ سے وہاں کوئی مسافر ٹھہرنے پر مجبور ہوا ہے۔ آیئے چل کر اس کی خبر لیں؛ چنانچہ ہم تیز تیز چلتے ہوئے وہاں جا کر دیکھا، تو وہ ایک عورت تھی (جس نے ایک خیمے میں پناہ لے رکھی تھی) اس کے ہمراہ کچھ بچے تھے۔ اس نے ہانڈی آگ پر چڑھا رکھی تھی اور بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَصْحَابَ الضَّوْءِ۔ یا اصحاب النار کہنا پسند نہ فرمایا (کہ قرآن میں اصحاب نار دوزخیوں کو کہا گیا ہے) عورت نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں قریب آسکتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں بھلائی کا ارادہ ہے تو آسکتے ہو ورنہ نہیں۔ آپ نے قریب ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا رات کو سردی سے مجبور ہو کر ہمیں یہاں ٹھہرنا پڑا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ بچے کیوں بلک رہے ہیں؟ کہنے لگی بھوک سے۔ آپ نے پوچھا اَیُّ شَیْءٍ فِیْ ھٰذِہِ الْقِدْرِ (کہ اس ہانڈی میں کیا ہے؟) قَالَتْ مَاءٌ اُسْکِتُھُمْ بِہٖ حَتّٰی یَنَامُوْا اللّٰہُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ عُمَرَ بولی کہ اس میں پانی ہے، اس بہانے میں نے بچوں کو بہلا کر انہیں خاموش کر رکھا ہے تاکہ وہ سو جائیں اور ہمارے اور عمر کے درمیان اللہ ہی فیصلہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھ پر رحم کرے

عمر کو تمہارا کیا علم ؛ بولی کہ وہ ہمارا والی ہو کر ہم سے بے خبر ہے ۔ آپ وہاں سے جلدی سے اٹھے اور اسلم کو ساتھ کر کے بیت المال تشریف لائے اور وہاں سے آٹے کی بوری، گھی کا ٹین اور دوسری ضروریات کی چیزیں لیں اور (اسلم کہتے) مجھے فرمایا کہ یہ سامان میری پیٹھ پر رکھ دو۔ میں نے اصرار کیا کہ نہیں میں اٹھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اَنْتَ تَحْمِلُ عَنِّیْ وِزْرِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کہ روزِ قیامت میری کوتاہی کا لوجھ تم ہی اٹھاؤ گے ۔ آخر میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ سامان آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا اور ہم تیز تیز چلتے ہوئے وہاں پہنچے۔ آپ نے اس بوری وغیرہ کو اس عورت کے پاس جا کر اتار دیا اور کچھ آٹا نکالا اور اسے گوندھ کر رکھ دیا اور عورت سے فرمایا کہ تم مجھے آٹے کے پیڑے بنا بنا کر دیتی جاؤ اور میں روٹی پکاتا جاؤں۔ چنانچہ روٹی پک گئی ۔ پھر آپ نے ہانڈی آگ پر رکھ دی ۔

وَجَعَلَ یَنْفُخُ تَحْتَ الْقِدْرِ وَکَانَ ذَا الْحِیَۃِ عَظِیْمَۃٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَی الدُّخَانِ مِنْ خَلَلِ لِحْیَتِہٖ (تاریخ الطبری ج ۵ ص۲۱)

اور ہانڈی کے نیچے خود ہی آگ کو پھونکنے لگے ۔ آپ کی داڑھی بہت بھاری اور گھنی تھی، میں دھوئیں کو آپ کی داڑھی کے بیچ سے نکلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

یہاں تک کہ سالن تیار ہو گیا، تو آپ نے ہانڈی نیچے اتار لی اور عورت سے فرمایا : پیالے دو۔ اس نے پیالے دیے۔ آپ پیالوں میں سالن ڈال کر عورت کو اور اس کے بچوں کو روٹی پکڑاتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا اور آپ نے ان کے لیے بستر لگا دیے پھر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ عورت آپ کو بے ساختہ دعائیں دینے اور کہنے لگی :

جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا اَنْتَ اَوْلٰی بِھٰذَا الْاَمْرِ مِنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (تاریخ الطبری ج ۵ ص۲۱)

خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے امیر المومنین کی بہ نسبت آپ ہی خلافت کے زیادہ لائق ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ دعا دیجئے۔ تم جب امیرالمؤمنین کے پاس آؤ گی تو انشاء اللہ تم مجھے وہاں پاؤ گی۔ حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کہتا تھا کہ آپ کی بڑی شان ہے، آپ مجھ سے کوئی بات نہ فرماتے (اور خاموشی سے بیٹھے رہے) پھر اس عورت کے بچے آپس میں کشتی کرنے، کھیلنے اور ہنسنے لگے اور پھر آرام سے سو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور مجھ سے فرمایا کہ اے اسلم بچے بھوک سے بیدار تھے اور روتے تھے مجھے انہیں اس طرح آرام و سکون اور خوشی میں دیکھے بغیر جانا پسند نہ تھا۔ پھر ہم وہاں سے رخصت ہوئے اور واپس آ گئے ؎

حدیثِ بندۂ مومن دل آویز
جگر پُرخوں، نفس روشن، نگہ تیز

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس طرح کے کئی ایک مثالی واقعات و روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کی ذمہ داری کس قدر ہے اور اسے عوام کی معاشی تکلیف کا احساس کس قدر ہونا چاہیے اور یہ کہ قومی خزانے میں عوام کا کس قدر حق ہے۔ افسوس کہ آج کے حکمران آنکھیں کھولیں اور زبانی ہمدردی کے اظہار کی بجائے عوام کی صحیح خدمت کریں اور اس احساس و ادراک کو اپنے اندر پھر سے پیدا کریں جو ہمارے اسلاف میں کارفرما تھا ؎

آتی ہے صبح دم صدا عرشِ بریں سے
کھویا گیا کس طرح تیرا جوہرِ ادراک!

فرات کے کنارے پر اگر کوئی اونٹ بھوک سے مر جائے تو عمر اس کا بھی جوابدہ ہوگا	امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۱۰ھ اپنی مشہور تاریخ

تاریخ الطبری میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ

وَاللّٰہِ الَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَوْ اَنَّ جَمَلاً ھَلَكَ ضِیَاعًا بِشَطِّ الْفُرَاتِ خَشِیْتُ اَنْ یَّسْئَلَ اللّٰہُ عَنْہُ اٰلَ الْخَطَّابِ

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲۳)

اس خدائے برتر کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اگر ایک اونٹ دریائے فرات کے کنارے پر بھوک سے مر جائے، تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ روزِ قیامت مجھے اس کا جوابدہ ہونا ہوگا۔

یہ ہے سربراہانِ اسلام کا احساسِ ذمہ داری کہ انسان تو بڑی چیز ہے وہ جانوروں تک کی معاشی کفالت کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے تھے۔

اسلامی ریاست کا نصب العین کیا ہوتا ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو انہوں نے حکومت کا نقطۂ نظر بدل کر اسے صحیح سمت کی طرف پھیر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بنو امیہ کے حکمرانوں نے حکومت کو ایک طرح سے محاصل وخراج وصول کرنے کا انتظامی ادارہ بنا کر رکھ دیا تھا جسے مسلمانوں کے اخلاق وعقائد، سیرت وتربیت اور ان کی اقتصادی ومعاشی ترقی وتنزل سے کوئی غرض نہ تھی، لیکن جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے عنانِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لی۔ اس وقت آپ نے حکومت کے نصب العین میں اپنے اس تاریخی فقرے سے حکومت کے مزاج ونقطہ نظر میں ہی انقلاب برپا کر دیا کہ:

"حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ تحصیل دار (مال کی وصولی کرنے والے) بنا کر نہیں بھیجے گئے۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۴۹ بحوالہ کتاب الخراج ص ۵۵)

جس کے بعد وہ دُنیوی حکومت کی بجائے خلافتِ نبویّہ بن گئی، ان کی ساری مدّتِ خلافت

اسی جملہ کی عملی تفسیر تھی، اس لیے آپ کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ (خلافت برطریقۂ نبوت) قرار پائی۔ ان کے زمانۂ خلافت میں اسلامی حکومت وسلطنت کے غیر مسلم باشندے (تلیتی فرقے) بڑی تعداد میں مسلمان ہو رہے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جزیہ کی آمدنی ومالی حالت جو حکومت کی آمدنی کا اہم عنصر تھا، روز بروز کم ہوتی جارہی تھی۔ اس سے اسلامی سلطنت کی معیشت و ترقی پر بھی زبردست اثر پڑ رہا تھا۔ اہلکارانِ سلطنت نے آپ کو اس طرف متوجہ کیا اور تشویش ظاہر کی، آپ نے فرمایا اس میں بہتری ہے کہ یہ (غیر مسلموں کا مسلمان ہونا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (تشریف آوری) کا عین مقصد ہے۔ ایک دوسرے عہدے دار کو لکھا کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی کہ سب غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور جزیہ کی آمدنی بند ہونے کی وجہ سے) ہم اور تم دونوں کھیتی کر کے اور ہل چلا کر اپنا پیٹ بھریں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ا ص ۴۹) ھ

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

حضرت عمر کا رونا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مجھے بلوایا، تقریباً ظہر کا وقت تھا، میں ان کے پاس پہنچا۔ جب میں ان کے مکان میں داخل ہونے لگا، تو مجھے ان کے بآواز بلند رونے کی آواز آئی۔ میں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ واللہ! امیر المومنین کوئی بات نہیں پریشان نہ ہوجیے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن! تم کس خوش خیالی میں ہو

ہر درد دل کو رونا میرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

واقعی میں سخت مشکل میں ہوں میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر لے گئے جہاں میں نے اوپر تلے بہت سی تھیلیاں رکھی دیکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا یہ ہے وہ مقام جہاں اللہ کی نظر میں آل خطاب

ؔ زمایا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم اگر ہم سخاوت کرتے ہوئے اسے تقسیم کردیں، تو میرے سامنے میرے دو پیشرو بزرگوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی مثال ہے جنہوں نے میرے لیے اس طرح کا قابلِ تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔ میں نے عرض کی: آپ نے امیر المومنین ہم مل کر اس مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ ہم بیٹھ گئے اور ہم نے نمبروار تمغوں اور مستحقوں کی فہرستیں تیار کیں جس میں مدینہ والوں کے نام لکھے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے نام لکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے نام لکھے، پھر دوسرے لوگوں کی فہرستیں بنائیں۔ اس طرح ہم نے حساب لگایا، تو لوگوں کے لیے دو دو دینار آئے۔ پھر ہم نے وہ سب کچھ ان فہرستوں کے مطابق تقسیم کر دیا۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۱۳/۴۱۴) ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

سونے کے ڈھیر بلا تاخیر تقسیم کر دیے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا، جب میں حاضر ہوا تو میں نے ان کے سامنے بھوسہ کی طرح سونے کے ڈھیر بکھرے دیکھے۔ آپ نے فرمایا "آؤ اسے اپنی قوم (مسلمان بھائیوں) میں تقسیم کر دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روک کر مجھے کیوں دی۔ معلوم نہیں کہ اس میں میرے لیے کوئی بھلائی ہے یا برائی۔" پھر میں دے فہرست کے مطابق لوگوں کو بلایا اور اس سونے کے تقسیم کرنے میں منہمک ہو گیا تو مجھے بہ آواز بلند رونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "قسم بخدا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا یہ ناممکن ہے کہ اس نے یہ دولت

اپنے نبی اور ابوبکر سے تو کسی بُرائی کے قصد سے روک لی ہو اور عمر کو یہ دولت کسی بھلائی کے لیے دے دی ہو۔" (کتاب الاموال ج ا ص۲۱۴)

بیت المال کی فاضل دولت حضرت معاویہ نے تقسیم کر دی

عطیہ بن قیس سے مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ہمارے سامنے تقریر فرمائی (اور وہ مال تقسیم کر رہے تھے) تمہارے بیت المال میں ان وظائف کے بعد (جو وظیفہ خوروں کو دے کر) بچ رہتا ہے جو تم کو دیا جا رہا ہے۔ میں اس بچے ہوئے مال کو تمہارے سامنے تقسیم کر رہا ہوں لیکن یاد رکھو۔ اگر آئندہ سال بچ گیا، تو وہ تم میں تقسیم ہوگا، نہ بچا، تو اس بارے میں ہم سے ناراض نہ ہونا۔ کیونکہ یہ مال ہمارا تو ہے نہیں، یہ تو وہ ملکی دولت و امانت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (ہمارے پاس) بھیجتا ہے۔ (کتاب الاموال ج ا ص۲۱۴) ـ

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

بیت المال کی فاضل دولت کے مصارف

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو جو عراق کے گورنر تھے لکھا کہ لوگوں کو ان کے وظائف دے دو۔ اس کے جواب میں عبدالحمید نے لکھا کہ میں لوگوں کو ان کے وظائف دے چکا ہوں۔ اس کے بعد بھی بیت المال میں مال بچا ہوا ہے۔" اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا" اب ایسے لوگوں کو دیکھو جو مقروض ہوں لیکن انہوں نے یہ قرضہ کسی فضول خرچی یا بے راہ روی کے سلسلے میں نہ لیا ہو اور ان کے قرضہ جات (بیت المال میں بچی ہوئی رقم سے) ادا کر دو۔" اس پر انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ میں نے ایسے مقروض افراد کے قرضے بھی ادا کر دیے ہیں، بایں ہمہ بیت المال میں رقم بچی ہوئی ہے۔ اس پر حضرت

عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ "اب ایسے کنواروں کو تلاش کرو جو نادار ہوں اور شادی کرنا چاہتے ہوں، تو تم ان کی شادی کرادو اور ان کے حق مہر بیت المال سے ادا کردو۔"
عبدالحمید نے لکھا کہ میں یہ بھی کر چکا ہوں، پھر بھی بیت المال میں رقم بچ رہی ہے۔"
آپ نے لکھا "کہ اب ایسے ذمیوں (غیر مسلموں کو) تلاش کرو جن پر جزیہ (ٹیکس) مقرر ہے اور وہ اپنی زمین کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں۔ ایسے ذمیوں کو اتنی رقم دو جس سے وہ اپنی زمینوں کا انتظام کرسکیں، کیونکہ وہ مستقل ہمارے ملک کے باشندے ہیں، اس لیے ہمیں ان کی امداد و اعانت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۵۱)

ے
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوزِ پنہاں سے!
تیری تاریک راتوں میں چراغاں کرکے چھوڑوں گا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مستحقین کے جو وظائف مقرر فرمائے تھے، ان میں کمی نہ ہوگی، بلکہ حالات کے تحت جو کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں ان میں اضافہ کیا جائے گا، مگر کمی کا تو سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ اس سلسلے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ملاحظہ ہو:

کم دینے والے کو بد دُعا

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"ہم نے تمہارے لیے (خوراک سے متعلقہ) ماہانہ وظائف مقرر کردیے ہیں، پھر انہوں نے مدی اور قسط دو پیمانے ہاتھ میں لے کر انہیں نمایاں کرتے ہوئے ہلایا اور فرمایا جو مستحقین لوگوں کو اس مقررہ مقدار سے کم دے۔ خدا اسے ایسا اور ایسا کرے" یعنی کم دینے والے کو بد دعا دی۔
(کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۷۱)

اسلامی مملکت کے سربراہ کو جو عوام سے ہمدردی ہونی چاہیئے۔ اس روایت سے اس کا اندازہ لگانا کوئی چنداں مشکل نہیں، ان کی ہمدردی محض لفظی یا نمائشی نہیں، عملی ہوا کرتی تھی اور ان کی شفقتِ عامہ کا یہ عالم کہ جیسے باپ اپنی اولاد کے بے جا تنگ کرنے والوں کو بددعا دینے پر طبعی لحاظ سے مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی زبان سے بھی بہ تقاضائے طبیعت بددعا سرزد ہو رہی ہے ؎

یہ آگہی میری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتشکدے ہزار

اسلام کے نظامِ معیشت میں اراضی و زراعت پر نظر

اراضی کی دو قسمیں ہیں

جب کوئی ملک فتح ہو تو ابتدائی طور پر اس کی اراضی دو قسموں میں منقسم پائی جاتی ہے :

۱۔ ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو، اسے اسلامی فقہ میں ارضِ مباحہ کہتے ہیں۔

۲۔ ایسی زمین جس کا کوئی خاص شخص مالک و متصرف ہو۔

اب ہم اول الذکر اراضی پر کچھ فقہی بحث کرتے ہیں تاکہ اسلام کے نظامِ معیشت میں اراضی سے متعلقہ مسائل خوب واضح ہو جائیں۔

ارضِ مباحہ کی قسمیں

۱۔ وہ زمینیں ہیں جو آبادی کے قرب میں واقع ہوں اور آبادی کی ضروریات کے لیے جن سے متعلقہ آبادی کے لوگ مشترکہ مفادات اٹھاتے ہیں جیسے سڑکیں، گلی کوچے، قبرستان، عید گاہ،

چراگاہ و تیر اندازی و گھوڑ دوڑ یا فوجی مشق کے میدان (۲)، وہ زمینیں جو آبادی کی ضروریات مشترکہ میں مصروف نہیں، مگر قابلِ زراعت و انتفاع ہیں، انہیں اراضی بیت المال کہتے ہیں (۳) پہاڑی اور سنگلاخ اور غیر آباد جنگلات کی زمینیں جو نہ تو کسی آبادی کی ضروریات میں مصروف ہوں اور نہ ہی سردست انتفاع و کاشت کے قابل ہوں البتہ محنت و مشقت کے بعد اس قابل ہو سکتی ہوں۔ ایسی زمینوں کو فقہ کی اصطلاح میں ارضِ موات (غیر آباد) زمینیں کہتے ہیں۔ اوّل الذکر یعنی مباحہ زمینوں کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ انہیں امیر المومنین ایک سربراہِ مملکت سے لے کر ایک عام آدمی تک کوئی بھی ان میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا، وہ جوں کی توں مفادِ مشترکہ عامہ کے لیے وقف کی طرح مصروف رہیں گی۔

نمک وغیرہ کی کانوں اور تیل کے چشموں کا حکم

نمک وغیرہ کی کانوں اور تیل

یا پٹرول کے چشموں کا حکم شرعی بھی یہی ہے کہ وہ کسی کے تصرفِ مالکانہ کے متحمل نہیں بلکہ وہ رفاہِ عامہ کے لیے حکومت کی زیرِ نگرانی کام آئیں گے اور ان کی آمدنی ملکی مصارف و اخراجات میں صرف ہو گی، اور امام ابو عبید کتاب الاموال میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیض بن حمال مازنی کی خواہش پر انہیں مارب کی زمینیں عطا فرمائیں۔ بعد میں معلوم کہ وہ نمک کی کانیں اور مفادِ عامہ کی چیزیں ہیں تو آپ نے وہ واپس لے لیں کہ فرد کے مفاد سے قوم کا مفاد مقدم ہے۔ یہ اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی معیشت کا اس وقت کا نظام ہے جب پوری دنیا پر نفسی نفسی کا عالم طاری تھا اور قومی و اجتماعی مفاد کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا اور نہ ہی آج نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس کا صحیح تصور مل سکتا ہے ہاں اہلِ مغرب کی عقلِ عیار کے ایسے بلند بانگ دعوے ضرور سننے میں آتے ہیں جن کے پس پردہ حقوقِ انسانی کا خون بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے ؎

جہانِ مغرب کے بتکدوں میں، کلیساؤں میں، مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے عقل عیّار

ثانی الذکر یعنی اراضی مباحہ کا قسم ثانی جنہیں بیت المال کہا جاتا ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں :

(ا) وہ زمینیں جو کسی علاقے کے فتح کے وقت کسی کی مملوک نہ تھیں

(ب) وہ زمینیں جو اگرچہ شروع میں کسی کی مملوک تھیں۔ مگر مالک لاوارث مر گیا۔

(ج) مملوکہ مفتوحہ اراضی دیگر مالِ غنیمت کی طرح پانچ حصوں میں منقسم ہوں گی اس کا پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے۔

(د) کفار کی مملوکہ زمین جو جنگ کے ذریعے حاصل کی گئی جسے سربراہ مملکت غانمین میں تقسیم کرنے کی بجائے ساری کی ساری بیت المال کے لیے چھوڑ دی۔

(ھ) یا امام اس میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لیے مخصوص کر دے۔

(و) زمین کا مالک زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اور غائب اور لاپتہ ہو گیا جس کا پیچھے کوئی وارث نہیں۔

(ز) معرکۂ جنگ میں قتل ہونے والے لاوارث کی زمین ایسی اراضی بیت المال کی قرار پائے گی۔ (فتاوی شامی وکتاب الاموال و بدائع صنائع)

بیت المال کی اراضی کی آمدنی کا مصرف

وہی لوگ ہیں جن کے مستحق وہ بیت المال کفیل ہے۔ مثلاً یتیم، نادار، بیوائیں، مسافر، مریض، معذور، فوج، پولیس، عمال حکومت وانتظامیہ و رفاہِ عامہ اور مثلاً دریاؤں، نہروں کے پل، مساجد و مدارس و شفاخانوں اور خانقاہوں کی تعمیرات وغیرہ۔

بیت المال کی اراضی میں سربراہ کے اختیارات

بیت المال کی اراضی دیگر

اموال بیت المال کی طرح سربراہِ مملکت یعنی امام المسلمین یا امیرالمومنین کی نگرانی و ذمہ داری میں رہے گی، انہیں امام المسلمین شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اپنی صوابدید کے مطابق کام میں لانے کے احکام نافذ کرے گا۔

منافع اٹھانے کی صورتیں

بیت المال کی زمینوں سے مندرجہ ذیل صورتوں میں فوائد اٹھائے جائیں گے۔

۱۔ قابل زراعت اراضی میں کھیتی باڑی کرائی جائے، خواہ حکومت اپنے وسائل سے کھیتی باڑی کرائے یا کاشت کاروں کو بٹائی وغیرہ پر دے اور اس کی آمدنی بیت المال میں جمع کرائے اور اس کا باقاعدہ حساب ہو جسے مملکت کا کوئی بھی ذمہ دار فرد چیک کر سکے۔

۲۔ سکنی جائدادوں کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی بھی باضابطہ طور پر بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۳۔ اگر ضرورت پڑ جائے، تو ان اراضی یا جائدادوں کو فروخت کرے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۴۔ امام کی طرف سے ان اراضی یا جائدادوں میں کچھ حسب ضرورت وصوابدید کسی ایسے شخص کو بخشش کی جا سکتی ہیں جس نے ملک و ملت اور اسلام کے لیے کوئی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہوں یا ایسے شخص کو جو فقر وفاقہ یا معذوری رکھتا ہو (ان مسائل کی مزید تفاصیل کتاب الاموال کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہے)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زمین بیت المال کے بمنزلہ ہے امام المسلمین کو حق ہے کہ وہ اس میں سے حسب صوابدید کسی ایسے شخص کو جس کی اسلام کو ضرورت

ہو زمین کا ٹکڑا بخش دے، جبکہ وہ یہ سمجھے کہ ایسا کرنا اسلام و مسلمانوں کے حق میں مفید ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

وَلَا اَرٰی اَنْ یَتْرُکَ اَرْضًا لَا مِلْکَ لِاَحَدٍ فِیْهَا وَ لَا عِمَارَةَ حَتّٰی یُقْطِعَهَا الْاِمَامُ فَاِنَّ ذَالِکَ اَعْمَرُ لِلْبِلَادِ وَاَکْثَرُ لِلْخِرَاجِ۔ (کتاب الاموال ج ا ص۲۱۶)

کہ میں جائز نہیں سمجھتا کہ غیر مملوکہ غیر آباد زمینوں کو یوں ہی چھوڑے رکھے، بلکہ کسی آباد کار کو جاگیر کے طور پر دے دے کہ اس سے خدا کی زمین آباد ہو گی اور آمدنی بکثرت ہو گی۔

ہمارے ملک کا وسیع و عریض معتد بہ حصہ ویران پڑا ہے اس کی آبادی کی طرف توجہ کرنے کی شدید ضرورت ہے، اسے آباد کرنے سے انشاء اللہ ہماری معاشی تکالیف کا کافی حد تک ازالہ ہو جائے گا۔

وسعتِ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپید ہوں یہ داغِ سحاب

ارضِ موات (غیر آباد) کا مسئلہ

اراضی مباحہ غیر مملوکہ کے تیسرے قسم کو ارضِ موات (یعنی غیر آباد زمین) کہتے ہیں اس کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ سربراہِ مملکت یعنی (حکومت) سے اجازت لے کر جو چاہے آباد کرے۔ وہ اس کا مالک سمجھا جائیگا۔

جو زمین آباد کرے، وہی اس کا مالک ہے

کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص سرکاری (یعنی بیت المال کی) غیر آباد زمینوں کو سربراہِ مملکت (حکومت) سے اجازت لیکر آباد کرے۔ وہ اس کا مالک ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ اَحْیٰی اَرْضًا مَیْتَةً فَهِیَ لَهٗ — یعنی جس نے غیر مملوکہ غیر آباد زمین کو

(الجامع الصغیر سیوطی ج ۲ ص۱۶) آباد کیا، وہ اس کی ہوگی۔

اور آباد کاری کے لئے اسے تین سال کی اجازت دی جائے گی۔ اگر اس مدت میں آباد نہ کر سکا، تو اس سے واپس لے کر اسے دی جائے گی جو اسے آباد کرے گا اور اگر کچھ آباد کر سکا اور کچھ نہیں تو آباد کو اس کے پاس رہنے دیا جائے گا اور غیر آباد کو واپس لے کردہ دوسرے بے زمین خواہشمند کو دی جائے گی، چنانچہ کتاب الخراج میں مروی ہے:

مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ ثُمَّ تَرَكَهَا ثَلَاثَ سِنِيْنَ فَلَمْ يَعْمُرْهَا فَعَمَرَهَا قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَهُمْ اَحَقُّ بِهَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ لِمُتَحَجِّرٍ حَقٌّ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِيْنَ (ص ۶۱، ۶۵)

کہ جس کو زمین دی گئی، پھر اس نے اسے تین سال تک غیر آباد چھوڑا آباد نہ کیا تو دوسرے لوگوں نے (امام کے اذن سے) اسے آباد کیا، تو وہی اس کے حقدار ہیں اور تین سال کے بعد زمین کو غیر آباد حالت میں روک کر رکھنے والے کا کوئی حق نہیں (یعنی اسے تین سال سے زائد مہلت نہیں دی جائیگی)

زمین کو آباد کرنا ضروری ہے خود کرے یا کرائے

زمین کو آباد کرانا ضروری ہے۔ خود کرے یا کسی دوسرے سے آباد کرائے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے يَزْرَعُهَا اَوْ يُزَارِعُهَا وَ يُوَاجِرُهَا (ص ۶۵) کہ خود کاشت کرے یا مزارعت پر کاشت کو دے (وایضاً رواہ النسائی وغیرہ)

زمین جب تک آباد کی جا رہی ہے، اسے واپس نہیں لیا جا سکتا جبکہ امام المسلمین نے زمین ہی کی تملیک کردی ہو۔ صرف منافع کی نہیں، یعنی صرف تمتیعاً نہ دی، بلکہ تملیکاً دی ہو، پھر مالک زمین اس میں ہر طرح کے تصرف کا مجاز ہوگا۔ ہبہ، بیع وغیرہ اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی اور اگر زمین کی بجائے صرف زمین سے منافع اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی تو یہ اجازت بوقتِ ضرورت و مصلحت منسوخ کر کے اس سے زمین واپس لی جا سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ، نے حکومت پر متمکن ہو کر کیا تھا۔

ذاتی ملکیت کا مسئلہ

اسلامی نظامِ معیشت ایک ایسا نظام ہے جو ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک ہے۔ یہ ایک معتدل راستہ ہے۔ اسلام شخصی اور ذاتی ملکیت کو حقوقِ انسانی میں سے ایک اہم حق تصور کرتا ہے اور کسی شخص یا پارٹی اور حکومت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مالک کی مرضی کے بغیر اس کی مملوکہ چیز میں دخل دے یا تصرف کرے۔ کسی کی مملوکہ چیز میں مالک کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (الاٰية)

اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، مگر جو سودا تمہاری باہمی رضامندی سے ہو۔

اسلام میں جائز طریقے سے تجارت اور سرمایہ کاری کی اجازت ہے

اسلام جائز طریقے سے تجارت و سرمایہ کاری کی اجازت دیتا ہے، یعنی اسلام کے نظامِ معیشت میں ہر شخص اسلام کے اصولِ تجارت کے مطابق تجارت میں ترقی کر کے سرمایہ حاصل کر سکتا ہے، مگر اس اندیشے سے کہ کہیں لامحدود سرمایہ کسی شخص واحد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر عوام الناس کے مفادِ عامہ کو متاثر نہ کرے اس پر زکوٰۃ و صدقات ایسے عوامی حقوق عائد کر دیے جن کی ادائیگی کے بعد ایک فرد یا چند افراد کے ہاتھوں میں لامحدود سرمایہ و دولت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی مطلق العنان سرمایہ داری کی نوبت آتی ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں باہمی رضامندی کے سوا ایک دوسرے کے مال کی ممانعت کر دی گئی ہے اور ممانعت میں چوری، خیانت، غصب (زبردستی چھین لینا) جوا اور سود وغیرہ سب شامل ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان ص۱۳۲)

بلکہ ان حقوق کی ادائیگی سے دولت میں تحریک وگردش کا عمل جاری رہتا ہے جس سے امیر ہوں یا غریب سب مستفید ہوتے رہتے ہیں، اس لیے تاجرین کو بیرونِ ملک سے مال درآمد کرنے اور اندرونِ ملک سے بیرونِ ملک مال برآمد کرنے کی بھی عام اجازت ہے، اس لیے اسلام میں لائسنس پر کسی پارٹی یا فرد کی اجارہ داری قابلِ برداشت نہیں، مگر ملک سے باہر مال برآمد کرنے کی اجازت اس وقت نہ دی جائے گی جبکہ ملک کے صارفین و ضرورت مندوں پر مہنگائی کے مسلط ہونے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی باہر سے مال درآمد کرنے کی کسی ایسی صورت کو برداشت کیا جا سکتا ہے جس سے ملک کا سرمایہ بیرونِ ملک چلا جائے اور ہم غیر ملکیوں کی امداد و اعانت کے محتاج ہو جائیں۔ آج یہ بات تجربہ میں آ چکی ہے کہ بڑی طاقتیں غریب ملکوں کو لین دین کے ذریعے اپنی غلامی میں جکڑ لیتی اور ان پر اپنے نظریات مسلط کیے بغیر نہیں رہتیں اور یہ صورتِ حال ایک مسلمان ملک کے لیے قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس سے بالواسطہ اسلام کی عظمت و سربلندی پر بُرا اثر پڑ سکتا ہے ؎

وہی ناں ہے تیرے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں سر بلند

غریبوں کا ہمدرد اسلام

غریبوں کا صحیح اور سچا ہمدرد اسلام ہی ہے، غریبوں کی ہمدردی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ داروں اور دولت مندوں سے زکوٰۃ و صدقات اور عشر وغیرہ ایسے مالیے وصول کر کے معاشرہ کے مفلوک الحال اور غریب و مستحق افراد میں صرف کیے جائیں تاکہ معاشرہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو اور ان شاء اللہ اس سے ہمارے ملک کا معاشرہ اضطراب دبے چینی کے بھنور سے بخوبی نکل آئے گا۔ نیز چھان بین اور صحیح تحقیق کی جائے اور پتہ چلایا جائے کہ تقسیمِ ہند سے قبل انگریزوں نے اپنے پاؤں جمانے

اور اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے جن جن لوگوں کو جاگیریں بخشیں اور ان کی وفاداریاں حاصل کیں اور انہیں اپنے مخصوص خطابات سے نوازا۔ پھر پاکستان بننے کے بعد انہوں نے رئیسوں اور وڈیروں کی حیثیت سے غریبوں کا استیحصال کیا۔ ان کی وہ جاگیریں واپس لی جائیں اور مستحقین میں تقسیم کی جائیں۔ کیونکہ ایسے جاگیردار اب بھی نہ صرف غریبوں کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہیں، بلکہ اسلام کے نظام کے نفاذ میں بھی حائل بنے ہوتے ہیں، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس کی زد میں ایسے لوگ نہ آنے پائیں جو اپنے جائز ذرائع سے کما کر یا آبا وٴ اجداد سے وراثت سے زمینوں کے مالک چلے آرہے ہیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی زمینوں پر ان کی مرضی کے بغیر قبضہ کرنا سخت ممنوع ہے۔

کسی کی جائز کمائی پر ناجائز قبضہ کا مسئلہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَاكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ ہتھیاؤ۔ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنْ اَرْضٍ بِغَيْرِ حَقٍّ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ۔
(کتاب الخراج ص ۶۲)

جس نے کسی کی بالشت بھر زمین پر بھی ناجائز قبضہ کیا، وہاں سے ساتوں زمین تک کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائیگا۔

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ۔
(الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۶۰)

کہ جس نے کسی کی زمین ناحق قبضے میں لی اسے قیامت کے دن ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔

اس کی شرح سراج منیر میں ہے :

اَیْ یَجْعَلُ کَالطَّوْقِ فِیْ عُنُقِهٖ حَقِیْقَةً وَ یُعْظَمُ عُنُقُهٗ لِیَسَعَ ذَالِكَ اَوْ یُطَوَّقُ اِثْمُ ذَالِكَ وَ یَلْزَمُهٗ لُزُوْمَ الطَّوْقِ۔

(سراج منیر ج ۳ ص۳۲۲)

یعنی واقعی طور پر زمین کو طوق کی طرح کر کے اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور اس کی گردن کو اس قدر لمبا کیا جائے گا کہ اس میں زمین کا طوق پڑ سکے یا زمین کے غصب کا گناہ طوق کی صورت میں اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

قومی ملکیت کی اصطلاح بے معنی ہے

اسلام کی نظر میں قومی ملکیت کی اصطلاح بے معنی ہے کیونکہ کسی شئی کا مجموعہ یا کل اس کے افراد و اجزا کے ہی تابع ہوتا ہے۔ جب تمام افراد کو حق ملکیت سے محروم کر دیا جائے، تو ان کا مجموعہ کیا چیز ہے جو تمام املاک کا مالک کہلاتا ہے جب افراد محروم ہو گئے، تو ان کا مجموعہ بھی محروم ہو گیا۔ اس اصطلاح میں فریب کے سوا کچھ نہیں ہے اس کے برعکس سرکاری ملکیت ایک اصطلاح معقول ہے۔ قومی ملکیت سوشلسٹوں کی عجیب و غریب بے معنی اصطلاح ہے۔ سابقہ حکومت نے لوگوں کے نجی تجارتی ادارے ان سے چھین لیے۔ پھر کسی کو تو معاوضہ دینے کا اعلان کیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے سرکاری تحویل میں لیے گئے ہیں، اس لیے تمہیں معاوضہ ملے گا اور کسی کو معاوضہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے قومی تحویل میں لیے گئے ہیں، اس لیے انہیں معاوضہ نہیں ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان اداروں کی نہ تو سرکار مالک قرار پائی اور نہ ہی سابقہ مالکان، تو کون مالک ہوا؟ ؏

اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

تحدید ملکیت

اسلام نہ تو سرمایہ داری کی طرح بے لگام ملکیت کی اجازت دیتا ہے کہ جائز و ناجائز ہر ذریعے سے دولت کمائی جائے اور جہاں

دل چاہے اسے خرچ کیا جائے، بلکہ اسلام سرمایہ کے جمع کرنے پر دو طرح کی پابندی عائد کرتا ہے ایک یہ کہ ذرائع اور وسائل آمدنی جائز ہوں جن سے کسی کا استیصال لازم نہ آئے اور خدا و مصطفیٰ جلّ و علا و صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمودات کے مطابق ہوں اور دوسرے یہ کہ اس سرمایہ کا مصرف صحیح ہو، یعنی اس سرمایہ کو خدمتِ اسلام و اعانت مستحقین اور اپنی ضروریات میں صرف کیا جائے جس کی بحث گزر چکی اور نہ ہی اشتراکی اور سوشلسٹ نظام کی طرح شخصی و انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتا ہے اور اہلِ دولت کو زکوٰۃ و صدقات اور توریث ایسے احکام و قوانین کے نظامِ عمل کا پابند کرتا ہے جس سے معاشرہ ہمہ گیر سطح پر استیصال کا شکار ہونے کی بجائے مکمل طور پر خوشحالی اور فارغ بالی کی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ نظامِ زکوٰۃ اور نظامِ وراثت معاشرہ کی خوشحالی کی ضمانت اور تحدیدِ ملکیت کا قدرتی ذریعہ ہیں۔ بالخصوص نظامِ وراثت جب کسی سرمایہ دار کے مرنے کے بعد عمل میں آتا ہے، تو اس نظامِ عمل سے اس کی جائداد منقسم ہو کر متعدد ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس سے اس کے خاندان کے بہت سے مفلس و محتاج خوشحال ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ و توریث نظامِ عمل تحدیدِ ملکیت کا منطقی و قدرتی اور نہایت ہی کامیاب نظام ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان کے بنائے ہوئے تحدیدی قوانین غیر منطقی اور غیر مؤثر ثابت ہوئے ہیں، لہٰذا اس کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

نظامِ وراثت

ہمارے ملک کے تقریباً ننانوے فیصد مسلمان نظامِ وراثت سے گریزاں اور مستحق وارثوں کے استیصال کا عمل اختیار کیے ہوئے اور سب سے زیادہ استیصال بیچاری لڑکیوں کا ہو رہا ہے۔ لڑکی کے ماں باپ استیصال پر مبنی ظالمانہ رواج کی آڑ لے کر یہاں لڑکیوں کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ان کا دل دکھاتے ہیں، وہاں مسلمان کہلانے کے باوجود عملی طور پر خداوند قدوس کے احکامِ وراثت سے کفر و انکار کر کے اپنی قبر میں آگ بھرتے ہیں ؎

آہ یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیر گیر؟

کما فی کتاب الاموال ۔ ؎

در غم دیگر بسوز و دیگراں را بسوز!
گفتمت روشن حدیثے، گر توانی دار گوش

اور اگر وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے ہوں تو صلح نامہ میں فریقین کے درمیان ان زمینوں کے بارے میں جو معاہدہ طے پائے گا اس پر عمل درآمد ضروری ہوگا اور دیگر صورتوں کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

محمد تقی امینی کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولوی محمد تقی امینی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ذاتی ملکیت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

جن لوگوں نے اسلام کے نام پر موجودہ دور کی انفرادی ملکیت پر اصرار کیا ہے۔ وہ دراصل اس وقت کے اسلام کی نمائندگی کررہے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں میں ذاتی منفعت وحصول اقتدار خود مقصد بن گیا تھا۔ اس بنا پر ان کی بات زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہے۔ (احکام شرعیہ ص ۱۳۱)

محمد تقی صاحب ذاتی ملکیت ختم کرانے کے درپے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ذاتی ملکیت کے خلاف پہلے سے ایک نظریہ قائم کرلیا ہے۔ پھر اس نظریے میں دلائل لاتے چلے گئے، چونکہ سرے سے ہی یہ نظریہ غلط اور سوشلسٹ واشتراکیت نواز حضرات کا اثر ہے جو امینی صاحب پر چھایا ہوا ہے جس کی تائید میں انہیں صحیح دلائل میسر نہ آسکے۔ اس لیے انہوں نے بعض اکابر کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی ہے ؎

سر دیں ادراک میں آتا نہیں
کس طرح آئے قیامت کا یقیں

اراضی مفتوحہ کی دوسری قسم

مفتوحہ زمینوں کی دوسری قسم وہ ہے جو فتح کے وقت کسی کی ملکیت و تصرف میں ہو۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ:

وہ صلح وامن کے ساتھ فتح ہو اور ان کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو وہ زمینیں بدستور ان کے تصرف میں رہیں گی۔ امام المسلمین یا کوئی دوسرا کسی طرح کا ان میں دخل نہیں دے سکتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ	کہ مجھے حکم ہوا کہ میں لوگوں سے لڑوں،
حَتّٰى يَشْهَدُوا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا	یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے
اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ	سوا کوئی معبود نہیں اور بلا شک محمد اللہ
وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ	کے رسول ہیں اور نماز پنجگانہ قائم کریں اور
فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ	زکوٰۃ دیں، جب وہ یہ کریں تو ان کے جان
دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ	مال میری طرف سے محفوظ ہو گئے، مگر
الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔	اسلام کے حق (قصاص وحدود) میں
(متفق علیہ)	ان کا مواخذہ ہوگا اور ان کے باطن

کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

مدینہ منورہ کے انصار چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی اراضی کے ساتھ بھی یہی کیا کہ جو زمین جس کے پاس تھی، اسی کے پاس رہی۔ البتہ انصار نے خوش دلی سے وہ زمینیں حضور کے حوالے کر دیں جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا۔ تو آپ نے بعض صحابہ کو ان زمینوں کی جاگیر بخش دی تاکہ وہ آباد کر کے ان سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کے ذریعے سے دیگر لوگ بھی۔

اس کتاب میں بہت سے غلط مفروضے قائم کیے گئے ہیں اور بعض مسائل میں مصنف زبردست غلط فہمیوں کا شکار ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ سردست ہم ذاتی ملکیت کے بارے میں ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"حکومت جس کی زمین وجائداد پر چاہے قبضہ کرکے اسے قومی سرکاری تحویل میں لے سکتی ہے۔"

اس سلسلے میں موصوف کا وہی نظریہ ہے کہ جو زمانۂ حال کے سوشلسٹوں اور اشتراکیوں کا ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے بعض موجودہ زمانے کے مصنفین کی عبارات پیش کی ہیں۔ جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس نظریے کے لوگ ہیں ممکن ہے کہ وہ بھی سوشلسٹ ذہنیت کے لوگ ہوں۔ اس لیے ان کا حوالہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور علامہ ابن حزم ظاہری کے حوالہ جات بھی ہیں۔ ابن حزم چونکہ بہت سے نظریات میں منفرد اور جمہور سے الگ ہیں، یہاں تک کہ اجماع کے بھی خلاف کرجاتے ہیں، اس لیے ان کی باتیں بھی کوئی وزنی نہیں ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے ان کی عبارات کا مفہوم بھی اسی طرح غلط سمجھا ہوگا جس طرح انہوں نے دوسرے محققین کی ان عبارات کا مفہوم غلط سمجھا جنہیں ہم عنقریب پیش کرنے والے ہیں۔ چنانچہ موصوف علامہ عینی کے حوالہ سے عبارت درج کرتے ہیں:

إِنَّ حُكْمَ الْأَرَاضِيْ إِلَى الْإِمَامِ ۔ — زمین کا معاملہ امام (حکومت) کے سپرد ہے (حکومت جو چاہے کرے)

موصوف نے عینی کی یہ عبارت قطع برید کرکے اس قدر لکھ دی ہے جس سے ان کے انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کے خود ساختہ نظریے کو تقویت مل سکے، کیونکہ موصوف کا یہ نظریہ عام اراضی کے بارے میں ہے، اگرچہ وہ کسی کی ملکیت میں ہو، جبکہ علامہ عینی کی اس عبارت کا تعلق صرف ان اراضی سے ہے جو کسی کی مملوک نہیں ہیں جیسے وادیوں

اور پہاڑوں وغیرہ کی غیر آباد اور غیر مملوکہ زمینیں۔ موصوف علامہ عینی کا مقصد سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ انہیں چراگاہ کے لیے مخصوص کرنے کا حق امام کو ہے۔ یعنی ان زمینوں کا معاملہ بادشاہ یا حکومت کے سپرد ہے، وہ جس قدر چاہے اسی قدر بیت المال کے جانوروں کے لیے چراگاہ میں توسیع کے لیے عوام الناس کو وہاں جانوروں کے چرانے سے روک سکتی ہے، اگرچہ لوگ پہلے وہاں سے فائدہ اٹھاتے چلے آ رہے ہوں۔

علامہ عینی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

وَانما یَحْمِی الامامَ ما لَیسَ بِملكٍ لِاَحَدٍ مِثْلُ بُطُونِ الاَوْدِیَةِ وَالجبالِ وَالمواتِ وَاِنْ کَانَ ینتفعُ المُسلمُونَ بتِلْكَ المواضعِ فَمَنَافِعُهُم فی حمایةِ الاُمامِ اَکْثَرُ قلتُ حَصْرُ الحمی للّٰہِ وَ رَسُوْلِہِ یدلُّ علی ان حُکمَ الاَراضی الی الامام الخ (عمدۃ القاری ج [illegible])

[illegible] كلا منهما [illegible] فيما لا [illegible] (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۱۲)

یعنی امام اس زمین کو چراگاہ ایسی سرکاری ضروریات کے لیے لے سکتا ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو جیسے وادیوں کے بیچ کی زمین اور پہاڑوں کی اور غیر آباد غیر مملوک زمین اگرچہ ان مقامات سے عام مسلمین مشترکہ فائدے اٹھاتے ہوں تو ان کے مشترکہ منافع امام کی چراگاہ بنانے میں زیادہ ہیں۔

یعنی [illegible] باب کے [illegible] اور [illegible] چراگاہ [illegible] [illegible] مذکورہ زمینوں کا معاملہ امام [illegible] کے سپرد ہے اور [illegible] چراگاہ [illegible] کو آباد کرنے کے لیے دینا، دونوں حکم اس زمین سے متعلق ہیں جن کا کوئی مالک نہیں

اور امام قسطلانی ارشاد الباری شرح بخاری میں یہی فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

وَ اِنَّمَا یَحْمِی الْاِمَامُ مَالَیْسَ بِمَمْلُوْکٍ الخ (ج ۴ ص ۲۰۶)

کہ حکومت اس زمین میں تصرف کر سکتی ہے جو کسی کی ملکیت نہیں۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کا سلطان مصر کو لوگوں کی زمینوں کو سرکاری تحویل میں لینے سے منع کرنا

ایک مرتبہ سلطانِ مصر نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اپنی اپنی زمینوں کی ملکیت کے کاغذ پیش کرو، ورنہ ہم تمہاری اراضی کو بیت المال کے حق میں ضبط کر لیں گے۔ اس وقت کے بے نظیر عالمِ دین امام نووی علیہ الرحمۃ کو معلوم ہوا، تو آپ نے اس بادشاہ کے اس خیال کے خلاف آواز اٹھائی اور دلائل سے ثابت کیا کہ اگرچہ کسی کے پاس ملکیت نامے نہ ہوں، مگر وہ پشت در پشت قابض چلے آ رہے ہوں، وہ مالک ہی ہیں۔ ان سے زمینیں چھیننا ظلم اور ناجائز ہے، تو بادشاہ اس خیال سے باز آ گیا۔ (شامی ج ۴ ص ۱۸۱)

یہ اس صورت میں ہے کہ جب مذکورہ قابضین کسی دوسرے کی مملوکہ زمین پر غاصبانہ طور پر قابض نہ ہوں جیسا کہ پہلے مدلل گزرا ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہو تو اس سے وہ زمین لے کر اصلی مالک کو واپس دی جائے گی۔

تقی امینی کی ایک اور خیانت

افسوس کہ سوشلزم و اشتراکیت کے اہلِ قلم پاکستان ایسی سرزمین میں کہ جسے صرف اسلام کے نظامِ حیات کی تنفیذ و ترویج کے لیے حاصل کیا گیا، سوشلزم و اشتراکیت کا زہر پھیلانے کے لیے قلم جیسی مقدس دیانت کا خون کرنے اور اس عظیم امانت میں خیانت کرنے سے بھی باز نہیں آتے، چنانچہ کتاب مذکورہ میں حکومت کے حق میں ہر قسم کے بے پناہ اختیارات ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غرض حکومت اپنے اختیارات میں کسی ایک طریقِ تنظیم و تقسیم کی پابند نہیں ہے بلکہ مفادِ عامہ کے پیشِ نظر اس کے اختیارات کافی وسیع ہیں (رالنفادی

اور اجتماعی ہر طریق کی اجازت ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں:

وَاَرْجُوْ اَنْ یَکُوْنَ مُتَوَسَّعاً عَلَیْہِ فَکَیْفَ مَاشَاءَ مِنْ ذَالِکَ فَعَلَ۔ (کتاب الخراج ص۷)

مجھے امید ہے کہ حکومت جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گی، اس لیے وسعت اور گنجائش ہے۔

تقی امینی صاحب نے مندرجہ بالا حوالے سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حکومت جو چاہے کرے، اس کے لیے اسلام کے احکام و ہدایات اور قیود و ضوابط کچھ نہیں ہیں، یہ پابندیاں صرف عوام کے لیے ہیں۔ شریعت عوام کے لیے آئین ہے حکومت اس سے مستثنیٰ ہے۔ ایک عام آدمی اگر کسی کی کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف چھین لے تو اس کے لیے ناجائز و حرام اور اگر حکومت قومیانے کے حیلے یا مفادِ عامہ کے ڈھونگ سے جس کی جائداد پر ہاتھ صاف کر ڈالے، اس کے لیے جائز ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کرتے ہیں انسانوں کو غلامی پہ رضامند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

حالانکہ بات یوں نہیں۔ یہاں امام ابو یوسف حکومت کو ایسے کلی و مطلق العنان اختیارات نہیں سونپ رہے۔ یہ امینی صاحب ہی کی کوتاہ نظری یا خیانت کا کرشمہ ہے کہ ان کی عبارات کو اپنے خود ساختہ اشتراکیت نظریے پر فٹ کر گئے ع

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

لیجئے اب امام صاحب کی شروع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے اور امینی صاحب کی دیانت و امانت کی داد دیجیے:

ذکل ارض اقطعھا الامام مما فتحت عنوۃ ففیھا الخراج الا ان یصیرھا الامام عشریۃ

یعنی اہل حرب سے جنگ کے بعد فتح کی ہوئی زمین جب امام کسی کو جاگیر کو عنایت کرے تو اس پر خراج واجب ہوگا

ذٰلِكَ اِلَى الْاِمَامِ وَالِى ان قَالَ وَاَرْجُوْ اَنْ يَكُوْنَ ذٰلِكَ مُوَسَّعًا عَلَيْهِ فَكَيْفَمَا شَاءَ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَ۔
(کتاب الخراج صفحہ ۶۰)

میں عشر نہیں خراج جمع کرانا ہوگا۔ ہاں اگر امام اس زمین کو عشری قرار دیدے تو پھر عشر ہوگا، تو ایسی صورت میں میرا خیال ہے کہ زمین کو خراجی یا عشری قرار دینے کا معاملہ امام کی صوابدید پر ہے جو چاہے کرے۔

یہ تھی امام ابو یوسف کی پوری عبارت جس کا تعلّق صرف اس بات سے ہے کہ امام المسلمین کو جنگ کے ذریعے مفتوحہ اراضی کو کسی کے لیے جاگیر قرار دینے کے بعد اسے عشری یا خراجی ٹھہرانے کا اختیار ہے، مگر امینی صاحب اسے کہاں سے کہاں کھینچ تان کر لے گئے۔ دراصل سوشلسٹوں کا طریقہ ہی یہی ہے کہ وہ اپنے من گھڑت نظریات کی تائید میں ایسے ایسے کرشمے دکھلاتے ہیں نیز ع

بریں قیاس کن زگلستان من بہار مرا

کے مطابق موصوف کی دوسری تحقیقات کو بھی اسی پر قیاس کر لیجیے۔ وہ جہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بعض جاگیریں واپس لے کر بیت المال کو دے دیں۔ تو یہ وہ جاگیریں تھیں جنہیں آباد کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ مگر لینے والے انہیں آباد نہ کر سکے، تو آباد نہ کرنے کی وجہ سے وہ واپس لینا پڑیں، انہیں زمین کی بخشش نہ کی گئی تھی، بلکہ زمین بیت المال کی تھی اور منافع آباد کرنے والوں کے لیے جاگیر کی بخشش کی یہ دونوں صورتیں کتاب الخراج، درِ مختار و شامی وغیرہ میں موجود ہیں دوسری الذکر زمین کا چونکہ جاگیردار مالک نہیں ہوتا، اس لیے امام اگر مناسب سمجھے تو اس سے واپس لے سکتا ہے، ملاحظہ ہو (شامی ج ۴ صفحہ ۱۹۴)

زمین کو مزارعت و بٹائی پر دینے کا مسئلہ

مزارعت کے جواز و عدم جواز دونوں کے حق میں مختلف حدیثیں وارد

ہوئی ہیں۔ اس بناء پر صحابہ کرام و ائمہ عظام میں مزارعت کے بارے اختلاف واقع ہوا۔ خود احناف کے امام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز نہیں سمجھتے اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ زمین کا مالک کام کرنے والے کو ایک معین مدت تک تنخواہ مقررہ پر رکھ کر اس سے کام لے اس میں شرط یہ ہے کہ بیج اور آلات مالک کے ہوں مدت پوری ہونے پر باہمی رضامندی سے اسے تنخواہ کے عوض اسے اتنی مالیت کی پیداوار دے دے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی ج ۶ صـ۲۷۵)

لیکن صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ مزارعت کو جائز سمجھتے ہیں اور صاحبین کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی کے بغیر اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے، چنانچہ بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے :

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَلَ اَھْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ مِنْھُمَا مِنْ زَرْعٍ اَوْ ثَمَرٍ الخ (بخاری ج ۱ صـ۳۱۳)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ زمین خیبر کی پیداوار یا پھل کے ایک ... پر معاہدہ کیا۔

مزارعت میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے

مزارعت میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

والفتویٰ علی قولھما لحاجۃ الناس الیھا ولظھور تعامل الامۃ۔ (ھدایہ ج ۴ صـ۴۲۳)

یعنی لوگوں کی ضرورت اور امت کے تعامل کے ظہور کی بنا پر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے

؎ مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرح معانی میں یگانہ

ان اختلاف میں امت کے فائدے ملحوظ ہیں۔ ان مقصد میں سب ائمہ متفق ہیں : البتہ متاخرین نے اس قول کو ترجیح دی جس میں امت کا فائدہ زیادہ ہے اور وہ مزارعت کا جواز

ہے۔ یعنی کسی کو زمین اس طور پر دینا کہ کاشت سے جو پیداوار ہو گی، دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی یا دو تہائیوں میں تقسیم ہو گی۔ اسے اسلام کی اصطلاح میں مزارعت اور یہاں کے عرف میں اسے بٹائی پر زمین دینا کہتے ہیں۔

مزارعت کی شرطیں

ایجاب قبول کے بعد مزارعت کے رُکن چار اور اس کے جواز کی شرطیں آٹھ ہیں۔

۱ زمین ۲ بیج ۳ کام ۴ بیل (یا ٹریکٹر) اور آٹھ شرطیں یہ ہیں:

۱ زمین زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو ۲ عاقدین کا اہل ہونا کہ معاملہ کرنے والے دونوں آزاد اور بالغ ہوں، ہاں اگر غلام یا لڑکا ہو تو وہ اپنے آقا اور سرپرست سے اجازت یافتہ ہوں ۳ مدت مزارعت متعین کر لی جائے ۴ بیج کس کی طرف سے ہو گا ۵ جنس کا ذکر آجائے کہ کیا بوئے گا۔ ۶ حصہ مقرر ہو کہ ہر ایک کو کس قدر ملے گا۔ ۷ مالکِ زمین کو کاشتکار کے سپرد کر دے۔ صاحب درمختار نے آٹھویں شرط کو شرکت فی الخارج (پیداوار میں مالکِ زمین اور مزارع دونوں کا شریک ہونا) قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بعینہ چھٹی شرط کا اعادہ ہے۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

اِنَّ ھٰذَا الشَّرْطَ مُسْتَدْرَکٌ لِلْاِسْتِغْنَاءِ عَنْہُ بِاشْتِرَاطِ ذِکْرِ قِسْطِ الْعَامِلِ (ج ۶ ص۲۷۵)

یعنی، یہ آٹھویں شرط بے فائدہ ہے کہ عامل کے حصہ کی شرط سے اس کی حاجت نہیں رہتی۔

تو آٹھویں شرط زمین کا معلوم و متعین ہونا ہے کہ یہاں سے وہاں اور ادھر سے ادھر تک جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے (ج ۱ ص۲۳۶ طبع مصر) اور حکیم الامت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بہارِ شریعت میں بھی اسی شرط کا ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو بہارِ شریعت ج ۱۵ ص۹۴) نیز علامہ شامی نے اس شرط کا ذکر کر دیا ہے اِنَّ مَعْرِفَۃَ الْاَرْضِ شَرْطٌ (ج ۶ ص۲۷۵) کہ زمین کا معلوم ہونا شرط ہے۔

افادات و مسائل

اگر بیج مالکِ زمین کی طرف سے طے پایا تو پانچویں شرط ساقط ہو جائے گی کہ جس جنس کا بیج مالک زمین دے گا مزارع اس کو بوئے گا۔

یا مالک مزارع سے کہہ دے کہ جو مرضی آئے بوئے تو بھی جنس کا تعین ضروری نہیں اور شرط یہ جائز نہیں کہ بیج والا پیداوار میں سے بیج اٹھائے گا اور بقیہ پیداوار کی تقسیم کی جائے گی، ہاں یہ جائز ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ غلّہ تقسیم ہوگا اور بھوسہ غلّہ کے حصّہ کے برابر کیا جائے گا یا جس کا بیج اس کا بھوسہ یہ بھی جائز کہ زمین مالک کی اور بیج اور کام اور بیل وغیرہ مزارع کے یا زمین اور بیج مالک کے کام اور بیل (یا ٹریکٹر) مزارع کے۔

اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کی اہمیت

اشتراکی اور سوشلسٹ نظام میں تو ہوس نفسانی کے مخصوص عزائم کو پروان چڑھانے کے لیے مالک و مزارع زمیندار و کسان وغیرہم کے درمیان طبقاتی منافرت پھیلا کر انسانی قدروں کو پامال اور بنی آدم کے خون کو انتہائی ارزاں کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا عادلانہ نظام معیشت ہے جس کی بنا مخلوقِ خدا کے درمیان ہر طرح کی باہمی منافرت و طبقاتیت کو ختم کر کے ان میں اخوت والفت پیدا کرنے پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھیتی کو اگانے کی نسبت اپنی طرف کر کے جہاں زراعت کے پیشہ کو نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت میں بڑی اہمیت بخشی ہے وہاں ضمنی طور پر کاشتکار کی عزت افزائی بھی فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

اَفَرَءَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۔ (واقعہ) تم جو بوتے ہو بھلا بتاؤ تو کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔

کاشت کاری پیشہ حضرت آدم علیہ السلام

امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستدرک امام حاکم میں مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ کاشت کاری، حضرت نوح کا بڑھئی حضرت ادریس کا درزی اور حضرت موسیٰ کا بکریاں چرانا تھا (ج ۴ ص ۲۵۹)

اس حدیث سے ایک تو دستکاری (ہاتھ کی کمائی) کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ کاشت کاری ایک ایسا مقدس پیشہ ہے جسے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے اختیار فرمایا اور اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں جسے امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام زین العابدین سے روایت کیا ہے۔

احرثوا فان الحرث مبارک واکثروا فیہ من الجماجم۔ (جامع الصغیر ج ا ص ۶۳)

یعنی زمین میں کھیتی باڑی کے لیے ہل چلاؤ کہ ہل چلانا بابرکت ہے اور بیج خوب ڈالو۔

اس میں فرمایا گیا ہے کہ کھیتی باڑی کرو اور ہل چلاؤ کیونکہ کھیتی باڑی کا کام بابرکت ہے اور اس میں بیج بکثرت ڈالو۔ بلکہ بیج مت ڈالو یا مراد یہ ہے کہ نظرِ بد اور پرندوں سے حفاظت کے لیے کھیتی باڑی پر بکثرت ہنڈیاں لٹکاؤ، ہنڈیاں لٹکانے کا یہ امر تکلیفی نہیں، بلکہ امرِ ارشادی ہے۔ (ملاحظہ ہو سراج منیر شرح الجامع الصغیر ج ا ص ۶۳)

صحیح بخاری کے باب فضل الزرع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

جو شخص درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندوالسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے (بخاری ج ا ص ۳۱۲ مجتبائی)

اس کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے درخت لگائے، اگرچہ حصولِ ثواب کی نیت اس کے دل و دماغ میں مستحضر نہ تھی، یہاں تک کہ اگر اس نے درخت لگا کر اسے فروخت کر دیا یا اس نے کاشت کی اور اسے فروخت کر دیا، پھر بھی اس کا یہ عمل اس کے لیے صدقہ ہوگا کہ اس کا یہ عمل مخلوق خدا کی روزی میں اضافہ کا باعث بنا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ صـ۱۵۵) نیز فرماتے ہیں۔

فِيْهِ الْحَضُّ عَلٰى عِمَارَةِ الْاَرْضِ لِنَفْسِهٖ وَلِمَنْ يَأْتِيْ بَعْدَهٗ۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ صـ۱۵۶)

کہ اس حدیث میں زمین کو اپنے اور بعد میں آنے والوں کے لیے (درختوں اور کھیتوں سے) آباد کرنے کی ترغیب ہے۔

؎ سر یہ سبزہ کے کھڑے ہو کے کہا قم میں نے
غنچۂ گل کو دیا ذوقِ تبسم، میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہل چلایا

کھیتی باڑی کرنا اور ہل چلانا ایک ایسا بابرکت کام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہ نفس نفیس شرف بخشا۔ چنانچہ امام شمس الدین سرخسی المعروف بہ شمس الائمۃ علیہ الرحمۃ کتاب المبسوط میں فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَنْ فَعَلَهٗ آدَمُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ عَلٰى مَا رُوِيَ اَنَّهٗ لَمَّا اُهْبِطَ اِلَى الْاَرْضِ اَتَاهُ جِبْرِيْلُ بِحِنْطَةٍ وَاَمَرَهٗ بِالزِّرَاعَةِ وَازْدَرَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُرْفٍ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُزَارِعُ

کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی باڑی کا کام کیا۔ بنا بر آں کہ مروی ہے کہ آپ جب زمین پر اتارے گئے تو حضرت جبریل آپ کی خدمت میں گندم لائے اور اسے زمین میں بونے کا امر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام جرف میں بنفس نفیس کاشت فرمائی اور فرمایا کہ کاشتکار خدا سے

... اجر ربّہ عزّ و جلّ (المبسوط ج ۲۳ ص ...) تجارت کرتا ہے۔

کمائی کے تین اصول

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری میں امام الماوردی سے ناقل ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کمائی کے تین اصول ہیں:

زراعت، تجارت اور صنعت (ملاحظہ ہو ج ۴ ص ۲۵) امام الماوردی علیہ الرحمۃ نے تینوں میں زراعت کو اولیت دے کر اسے سرِ فہرست رکھا ہے۔

مفکرِ اسلام مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ معاشیات کے بنیادی مسائل میں زراعت کو بہت ہی اہمیت دیتے ہوئے اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

... اعلم انّہ اذا اجتمع عشرۃ آلاف انسان مثلاً فی بلدۃ فالسیاسۃ المدنیۃ تبحث عن مکاسبہم فان کان اکثرہم متکسّبین بالصناعات وسیاسۃ البلدۃ والقلیل منہم متکسّبین بالرعی والزراعۃ فسد حالہم فی الدنیا (... ج ۲ ص ۱۰۵)	یعنی جب کسی شہر میں مثلاً دس ہزار لوگ بستے ہوں تو سیاست مدنیہ ان کے اسباب معاش سے بحث کرتی ہے، تو اگر ان میں سے اکثر صنعت کاری اور شہری سیاست میں مصروف اور ان میں سے تھوڑے زراعت و جانوروں کی حفاظت میں مشغول ہوں، تو دنیا میں تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

یعنی زراعت ملکی معیشت میں ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کمزور ہے اور متبادل وسائل کی فراوانی بھی نہیں کہ ان سے تلافی و تدارک ہو سکے تو وہاں کے لوگ ترقی کی بجائے روبہ انحطاط و زوال ہوں گے اور ان کی حالت نہیں سدھر سکے گی اگر ملک کے اکثر باشندے زراعت پیشہ ہوں اور تمام زرعی سہولتوں سے مالامال ہو کر محنت شاقہ سے کام لیں تو زمین سے وہ برکتیں ظاہر ہوں کہ ہمارے زراعت پیشہ بھائی ان کا تصور بھی نہ کر سکیں گے

دہقاں اگر نہ ہو تن آساں
ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
غافل منشیں نہ وقتِ بازی ست
وقتِ ہنر ست و کارسازی ست

اس حدیث کی توجیہ کہ ہل ذلت کا باعث ہے

گزشتہ تقریر سے ثابت ہوا کہ اسلام کے نظامِ معیشت میں زراعت کو نہایت ہی اہمیت حاصل ہے، لیکن صحیح بخاری کی کتاب المزارعۃ میں حضرت ابوامامہ باہلی سے مروی ہے:

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یدخل ھذا بیت قوم الا ادخلہ اللہ الذل۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص [illegible])

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ نے ہل اور کھیتی کے دوسرے آلات کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ جس گھر میں یہ داخل ہوں اس گھر میں خدا ذلت کو داخل کرے گا۔

علماء محققین نے اس حدیث کی کئی ایک توجیہات فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ ہل اور دیگر آلاتِ زراعت کھیتی باڑی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں، لیکن اس کے برعکس جو قوم انہیں اپنے گھروں میں رکھ چھوڑے یعنی کھیتی باڑی کا کام ترک کردے تو ان کے وسائلِ رزق میں کمی آجائے گی جس کے نتیجے میں وہ بھوک و افلاس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری توجیہ ذیب امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان المسلمین اذا اشتغلوا بالزراعۃ واتبعوا اذناب البقر وقعدوا عن الجہاد کر علیہم عدوھم [illegible]

جب مسلمان سب کے سب زراعت میں مشغول ہوں اور بیلوں کے دم کے پیچھے پیچھے ہو لیں اور جہاد ترک کر دیں تو دشمن ان [illegible] ذلیل کرے گا۔

اِذ ثَبۃ (کتاب المبسوط ج ۱۰ صفحہ ۸۳ سطر ۲۰-۲۱)

حدیث مذکور کا پس منظر

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرث وزراعت کے فضائل بہت سے بیان فرمائے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں ان فضائل کے پیشِ نظر مسلمان سب زراعت وکھیتی کے کام میں مشغول ہو کر جہاد ایسی انتہائی اہم دینی ذمہ داری کو فراموش کر دیں اور دشمن کے ساتھ لڑنے کے فن سے بے بہرہ ہو جائیں اور دشمن اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل وخوار کر دے، اس لیے یہ ارشادِ گرامی صادر فرمایا۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے۔ یعنی بَابُ مَا یُحْذَرُ مِنْ عَوَاقِبِ الْاِشْتِغَالِ بِآلَةِ الزَّرْعِ اَوْ مُجَاوَزَةِ الْحَدِّ الَّذِیْ اُمِرَبِہٖ۔ یعنی آلہ زراعت (ہل وغیرہ) سے سراسر مشغول ہونے اور زراعت میں مشغول ہونے کی مطلوبہ حد سے تجاوز کرنے کے انجام سے ڈرنے کے بیان میں: یہ بھی اسی توجیہہ کی تائید کرتا ہے جو امام سرخسی علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے امام بدر الملۃ والدین عینی علیہ الرحمۃ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں داؤدی سے یہ توجیہہ نقل کی ہے۔ (بخوفِ طوالت ترجمہ عرض ہے)

یہ ارشادِ نبوی ان حضرات کے لیے ہے جو دشمنوں کی سرحدوں کے قریب ہیں، اس لیے وہ اگر کھیتی باڑی میں لگ کر جنگی فنون وتجربات کو نظر انداز کر دیں، تو دشمن ان پر حملہ کر دے گا، لیکن سرحدوں سے دور افتادہ لوگوں کے لیے زراعت کا کام ہی بہتر ومطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تم حسبِ استطاعت دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرو اور یہ زراعت کے ساتھ ہی قائم ہے اور جو لوگ سرحد پر یا دشمن کے قریب ہیں، وہ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے (کہ انہیں جنگی فنون سیکھنا اور تجربات کرنا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ضروریاتِ زندگی میں ان کی مدد کرتے رہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ صفحہ ۱۵۵)

نیز اس توجیہ کی اس حدیث سے بھی صراحت سے تائید ہو جاتی ہے جسے امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

اِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّیْنَارِ وَالدِّرْہَمِ وَتَبَایَعُوْا بِالْعِیْنَۃِ وَتَبِعُوْا اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَتَرَکُوا الْجِھَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَدْخَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ ذِلًّا لَا یَرْفَعُ عَنْہُمْ حَتّٰی یُرَاجِعُوْا دِیْنَہُمْ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۹)

یعنی جب لوگ راہِ خدا میں دینار و درہم خرچ کرنے میں بخل کرنے لگیں اور ایک چیز مہنگے داموں بیچ کر اس شخص سے سستے داموں واپس خرید لیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر کے کھیتی باڑی کے شوق میں بیلوں کی دُم پکڑ لیں، خدا انہیں ذلت میں مبتلا کرے گا اور ان سے اس وقت تک ذلت نہ اٹھائے گا جب تک وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹیں گے۔

غرضیکہ حدیث مذکور کا ایک پس منظر ہے جسے ملحوظ رکھنے سے ہل (یا ہل جیسے دیگر آلات) سے متعلق ارشادِ نبوت کا عقدہ باقی نہیں رہتا اور اس علم و آگاہی کے راز داں تو علماء کرام ہی ہیں۔ جب تک شریعت کے راز دانوں کے حضور دستِ سوال نہ پھیلائیں گے، اس وقت تک علم کی ایسی باریک گتھیاں نہیں سلجھیں گی ؎

ہم اپنی دردمندی کا فسانہ
سُنا کرتے ہیں اپنے راز داں سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر دینا کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر یہ غیب کی خبر دی تھی کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے اور حدیث مذکورہ آپ کی اسی پیش گوئی پر محمول ہے، چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری شرح بخاری میں ابن تین سے ناقل ہیں:

ھٰذَا مِنْ اَخْبَارِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

بالمغيبات لأن المشاهد الآن ان اكثر الظلم انما هو على أهل الحرث (فتح الباری ج ۵ ص۲)

غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے۔ آج مشاہدہ ہو رہا ہے کہ سب سے زیادہ ظلم کسانوں پر ہو رہے ہیں۔

اور امام بدرالملۃ والدین عینی عمدۃ القاری اور امام قسطلانی ارشادالساری شرح بخاری میں امام ابن بطال سے ناقل ہیں:

وفي الحديث علامة النبوة قال ابن بطال وذالك انه صلى الله عليه وسلم علم أنه من يأتي آخر الزمان يجورون في أخذ الصدقات والعشور يأخذون أكثر مما يجب لهم لانه ذل لمن أخذ منهم بغير الحق انتهى قلت قوة الذل وكثرته في الزارعين في أراضي مصر فان أصحاب الاقطاعات يتسلطون عليهم ويأخذون منهم فوق ما عليهم بضرب وحبس وتهديد بالغ ويجعلونهم كالعبيد المشترين فلا يتخلصون منهم فإذا مات واحد منهم ليتيمون

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر (پیشگوئی) ہے اور یہ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آخری زمانے میں ایسے جاگیردار پیدا ہوں گے جو عشر و زکوٰۃ کی وصولی میں کسانوں پر ظلم کریں گے اور حق شرعی سے زیادہ وصول کریں گے کہ اس میں کسانوں کی ناحق توہین ہے میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مصر کے جاگیردار کسانوں کی تذلیل و توہین کرتے ہیں، ان پر مسلط ہیں، ان کی مار پیٹ کر کے انہیں قید کرتے اور ان سے حق شرعی سے زیادہ وصول کرتے ہیں اور زر خرید غلاموں کا سا ان سے سلوک کرتے ہیں، بیچارے کسان ان سے رہائی نہیں پاتے، پھر جب کوئی کسان مرجاتا ہے۔ تو جاگیردار وہی سلوک ان کے بچوں سے کرتے ہیں،

وَلَدَهٗ عِوَضَهٗ بِالْغَصَبِ وَالظُّلْمِ غَالِبَ مَا تَرَكَهٗ وَيُحَرِّمُوْنَ وَرَثَتَهٗ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۲ ص۱۵۷) (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۴ ص۱۷۲)

اور ان کے باپ کی اکثر جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کرکے انہیں وراثت کے حق سے محروم کر دیتے ہیں۔

یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ملکی معیشت کاشت کار کی مرہونِ منت ہو، لیکن ایک مخصوص طبقہ استیصال کا نشانہ بھی انہیں بنائے ؎

وائے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اسے
میں نے جس ڈالی کو تاڑا آشیانے کیلئے

کسانوں پر سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کے بہیمانہ مظالم

کسانوں پر سوشلسٹوں اور اشتراکیوں نے جو مظالم ڈھائے۔ ان کی داستان نہایت دردناک اور لرزہ خیز ہے، چنانچہ لینن نے ۲۰ فروری ۱۹۱۷ء کو ایک پمفلٹ تقسیم کرایا کہ بڑی بڑی زمینداریاں ختم کرکے زمین بے زمین کسانوں میں بانٹ دی جائے گی۔ پھر دو ماہ بعد اپریل ۱۹۱۷ء میں لینن نے تمام زمینوں کو قومیانے کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان گول مول تھا۔

چھوٹے درجے کے کسانوں کو بڑے زمینداروں سے لڑا دیا۔ آخر بڑے اور متوسط درجے کے زمینداروں میں ہیجان پیدا ہوا۔ تحریکیں چلیں۔ مارچ ۱۹۱۷ء اور جون ۱۹۱۷ء تک کے درمیانی عرصہ میں کسانوں کی سترہ تحریکوں کو بڑی سفاکی اور خونریزی کے ساتھ دبا دیا گیا اور ان پر جو مظالم ڈھائے گئے۔ اس کی داستان کو قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ جب بڑی بڑی اور متوسط درجے کی زمینداریوں کو ختم کر دیا گیا۔ تو اب چھوٹی چھوٹی زمینداریوں کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔ آخر ۱۹۲۰ء تک ان کسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے بعد پوری مملکت روس میں ایک کسان بھی ایسا نہ چھوڑا گیا جس کے

ں ایک اپنج بھی زمین ہو۔ ایک فرانسیسی مصنف اپنی تصنیف (THC RBCL) میں لکھتا ہے کہ اس تصادم میں پچاس لاکھ انسان قتل ہوتے۔ اہلِ اشتراکیت کا طُرّہ امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانوں سے جذبۂ اخوت و ہمدردی ختم کرکے انہیں کئی ایک طبقات میں تقسیم کرکے آپس میں لڑا دیتے ہیں۔ نتیجے میں کچھ لوگ ہلاک ہو گئے اور جو باقی بچے ان کا حکومت خود ہی صفایا کردیتی ہے۔ بیچارے کسانوں کو عشقِ اشتراکیت کا یہی انعام ملا کرتا ہے، لیکن بیچارے کسان ہیں کہ اپنی سادگی کی بنا پر سوشلسٹوں کے دامِ فریب میں آجاتے ہیں ؎

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں!
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں!

اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدوروں اور کسانوں کے ساتھ سلوک

ان کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا جاتا ہے جو ایک بے زبان جانور کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے، جبکہ اسلام کا معاشی نظام مزدوروں اور کسانوں کو ایک مقدس و حلال رزق کا سبب تصور کرکے معاشرے میں اس کا احترام پیدا کرتا ہے۔ لیکن اشتراکیوں نے اجتماعی اور قومی مصالح کے نام پر مزدوروں پر ایسی قیود و پابندیاں اور سختیاں عائد کردیں کہ بیچارے مزدور انسانیت کے مقام سے گر کر کولہو کے بیل بنا دیے گئے۔ ان کی قوت سے بڑھ کر کام لینا، احتجاج کرنے کے حق سے محروم کرنا اور ان کی عورتوں اور بچوں تک سے مشقت لینا اور اس کے بدلے روٹی کے چند ٹکڑے اور موٹا کپڑا اور رہائشی کیمپ میں تنگ سی جگہ دینا کہ جہاں غسل خانے تک مشترکہ ہیں جن میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑے۔ پھر بھی حسبِ خواہش نہانے کی آزادی تک میسر نہیں۔ اشتراکیت کی بدولت بچارے مزدوروں کے حصہ

میں یہی عنایتیں ہیں اور بس۔ اور افسوس یہ ہے کہ ان عنایات کے خلاف جو کسان و مزدور آواز بلند کرے اور اسے باغی قرار دے کر چند منٹوں میں گولی سے اُڑا دیا جاتا ہے ؎

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

اگر ان حقائق کا ملاحظہ کرنا ہو تو چین اور روس کا غیر سرکاری طور پر دورہ کر کے دیکھیں۔ جو سرکاری مہمان وہاں جاتے ہیں، وہ وہاں کی حکومت کے مطابق ہی وہاں کا جائزہ لیتے ہیں جن میں مصنوعی طور پر سب کو خوشحال ظاہر کر کے دکھایا جاتا ہے۔ جیسے مشرقی پاکستان کے سانحے میں ہمارے فوجی قیدی جب ہندوستان کی قید میں تھے، تو وہاں کی حکومت ان کے بیانات ریڈیو سے نشر کراتی کہ ہمیں یہاں بڑے آرام سے رکھا جاتا ہے۔ ہمیں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ہم ایسے رہتے ہیں جیسے گھر میں ہوں حالانکہ واپسی کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ حکومتِ انڈیا کے کئے سلوک کی جو داستانیں سنائیں ان سے سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

محنت کشوں کے متعلق اسلام کی روح پرور ہدایات

اس کے برعکس محنت کشوں اور مزدور کے ساتھ اسلام جو مشفقانہ سلوک روا رکھنے کے احکام صادر فرماتا ہے، ان سے ایک عام مزدور، صنعت کار اور مالک و ادارہ کے سربراہ کے ساتھ برابر عزت و وقار کا حقدار ٹھہرتا ہے؛ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

حضرت معرور فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر سے ربذہ کے مقام پر ملا تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک ازار اور چادر زیب تن فرما رکھی تھی اور ان کے غلام نے بھی اسی طرح کا لباس پہن رکھا تھا (آقا اور غلام کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا) تو میں نے حضرت

ابوذر سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو سخت کلمہ کہہ دیا (کالی عورت کے بیٹے کہہ کر پکارا تھا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر! تم نے اسے ماں (کے کالے رنگ) کی عار دلائی ہے تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ پھر فرمایا:

اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۹ طبع دہلی)

یعنی تمہارے ماتحت کام کرنے والے تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا ماتحت بنا دیا ہے تو جس کا بھائی اس کے ماتحت کام کرتا ہے، اسے وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ بتاؤ اور اگر بتاؤ تو ان کی امداد و اعانت کرو

یہ ہدایت مبارکہ معاشرہ میں مزدور کو ایک باوقار مقام عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے رہنما اصول بھی پیش کرتی ہے جنہیں عمل میں لانے سے وہ تمام مفاسد اور خرابیاں یکسر ختم ہو جاتی ہیں جو آج معاشرتی بے چینی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ یہ وہ اصول ہیں جنہیں محدثین و ائمہ اسلام نے اس حدیث سے اخذ کیے ہیں؛ چنانچہ امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: (بخوفِ طوالت عربی کے بجائے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

اسلام کے نظامِ معیشت و معاشرت سے متعلق اہم ہدایات و اصول:

اوّل:۔ یہ کہ اپنے ماتحت کو ایسا کلمہ کہنا ممنوع جس سے اس کی عزتِ انسانی میں فرق آتا ہو اور ایسی بات بھی کرنا منع ہے جس سے ایک کی برتری کے ساتھ دوسرے کی تحقیر لازم آتی ہے، بلکہ اس کے برعکس ماتحت کے ساتھ احسان و شفقت سے بھرپور برتاؤ کیا جائے۔ پھر عبد کا ایک وسیع مفہوم ہے (ماتحت) خواہ وہ مزدور ہو یا خادم و نوکر اور

کمزور وضعیف ہو اور اسی طرح جانوروں کو بھی برا بھلا کہنا اور ان کی طاقت سے زائد بوجھ لادنا منع ہے۔

دوم: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اس نجابت اپنا تفوق اور برتری نہ جتلائے کہ اس سے دوسرے کی تذلیل و تحقیر لازم آتی ہو۔ اگرچہ وہ غلام یا نوکر اور مزدور ہی کیوں نہ ہو کہ برتری کی بنا کارخانہ داری یا صنعت کاری و زمینداری نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ — کہ میرے نزدیک وہی اچھا ہے جس کا عمل اچھا ہو۔

سوم: یہ امر بھی لائق تحسین و ثواب اور از جملہ آداب ہے کہ مالک و نوکر کا کھانا پینا بھی یکساں ہو، جب کھانے اور پینے میں یکسانیت اسلام کے نزدیک محبوب و مرغوب ہے، تو رہائش و سکونت میں کیوں نہ ہوگی؟ لہٰذا اسلامی آداب اخلاق عالیہ کا تقاضا ہے کہ رہنے کی سہولت بھی یکساں ہو۔ آج کے غیر عادلانہ سرمایہ دارانہ اور سوشلسٹ و اشتراکیت کے بہیمانہ نظام میں جو معاشی و رہائشی تفاوت ہے، اسے اسلام پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کہ کوئی تو اعلیٰ و عمدہ اور ایک ایک مربع کے ایئرکنڈیشنڈ بنگلوں اور نفیس کاخوں سے لطف اندوز ہوں اور ان کے علاوہ انہیں گھر کے باہر فارمز بھی بے پناہ سہولتیں میسر ہوں اور کسی کو تنگ و تاریک کمرے بھی مشکل سے حاصل ہوں اور نہ ہی انہیں برقی پنکھوں سے پسینہ سکھانے کی سہولت میسر ہو (حدیث میں ہے کہ جو شخص رہائش کے لیے ضرورت سے زائد زمین گھیرے گا۔ قیامت کے روز وہ اس کے سر پر رکھی جائے گی)

چہارم: انہیں طاقت سے زائد کام نہ بتایا جائے اور نہ ہی ان سے اس قدر تسلسل سے کام لیا جائے کہ وہ تھک کر چور چور ہو جائیں۔

لِاَنَّ النَّھْیَ لِلتَّحْرِیْمِ بلاخلاف کہ حدیث میں وارد ممانعت بالاتفاق تحریم کے لیے

پنجم: اگر انہیں طاقت سے زاید یا تھکا دینے والے تسلسل کے ساتھ کام نا دو تو ان کی جسمانی یا مزید مالی یا دونوں قسم کی امداد کرو۔ اگو یا دفتری اوقات میں اگر مقررہ سے زیادہ کام بتاؤ تو اپنے یا دوسرے معاونین کے ذریعے سے اور اوور ٹائم کی صورت میں مالی لحاظ سے ان کی مزید امداد کرو جو معمول سے زاید ہو تو بہتر ہے ورنہ کسی صورت میں کم نہ ہو۔

ششم: سرمایہ دار اپنے نوکر، مزدور اور خادم کو اپنا بھائی سمجھے اور ایک بھائی کے دوسرے بھائی کے ساتھ کا سا سلوک کرے، وغیرہ وغیرہ۔

(ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری ج ا ص۲۰۸-۲۰۹)

اسلام کے معاشی نظام کی یہ ہدایت سنہری حروف سے لکھ لینے کے قابل ہے کہ لَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ، یعنی کارکنوں کو ان کی طاقت سے زائد کام نہ بتاؤ اگر بتاؤ، تو ان کی امداد کرنا ضروری ہے۔ گویا پیداوار بڑھانے کے شوق میں کارکن اور محنت کش کے کام و محنت میں اضافہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسا کرنا ہے تو اس کی رضا اور رغبت سے کرو اور اسے مزید مالی اعانت سے خوش کرو۔

محنت کش کی مزدوری جلدی ادا کرو

امام ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت ابن عمر امام ابویعلیٰ اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ امام طبرانی اپنی اوسط میں حضرت جابر اور امام حکیم ترمذی نوادر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهٗ ۔ (الجامع الصغیر ج ا ص۴۷)

کہ محنت کش کو اس کی اجرت اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

مطلب یہ ہے کہ محنت کش کو اس کے کام سے فارغ ہونے کے بعد بلاتاخیر معاوضہ

ادا کرو۔ خواہ اسے پسینہ آیا ہی نہ ہو یا آنے کے بعد ابھی تک خشک نہ ہو (سراج منیر و حاشیہ شیخ الاسلام الحفنی ج ۱ صـ۲۴۳) اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ روزِ قیامت میں اس شخص کا دشمن ہوں گا جس نے مزدور سے کام لیا ہو اور اس کی اجرت نہ دی۔

(صحیح بخاری ج ۱ صـ۳۰۲ کتاب الاجارۃ عن ابی ہریرۃ)

ان تمام نصوص میں بلا تاخیر حقوق العباد کی ادائیگی کا درس ہے، بلکہ ان محنت کشوں کی ہر ممکن طریقے سے دل جوئی اور حوصلہ افزائی کا سبق ہے جن پر پیداوار کے اضافے کا دار و مدار ہے۔ ظاہر ہے کہ محنت کش خوش ہوں گے، تو دل جمعی اور دل چسپی سے کام بھی کریں گے۔

مزدوروں کا منافع میں حصّہ

قرآن کریم کے ارشاد یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْو کیا خرچ کریں فرما دیجئے اپنے مالوں کے فاضل حصّہ کو۔

ازالہ شبہ

اگر آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے کا شبہ ہو جیسا کہ بعض مفسرین لکھتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ آیتِ زکوٰۃ اس کے لیے ناسخ نہیں، بلکہ آیت زکوٰۃ کا صدقہ واجبہ سے تعلق ہے اور اس آیت کا صدقہ نافلہ سے۔ امام ابن جریر تفسیر طبری میں فرماتے ہیں: بل مُثْبَتَۃ الحکم غیر منسوخۃ (ج ۲ صـ۲۱۱) یعنی اس آیت کا حکم باقی ہے، منسوخ نہیں ہے۔

اس آیت کو مزدوروں کے لیے صنعت کے منافع میں حصّہ کی دلیل بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہر صورت قرآن کریم میں وارد جامع الفاظ اپنی معنوی وسعتوں کے اعتبار سے اس نئی تعبیر کے بھی متحمل ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کے حالات چونکہ پہلے سے ہی خدا علیم و خبیر کے علم میں تھے اور اسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں

محنت کشوں کے مسائل پیدا ہوں گے اور اسلام ایک ہمہ گیر اور ابدی دین ہے تو مسلمان محنت کش اسلام سے راہبری کے طلب گار ہوں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ و عشر کے حکم کو اپنے ارشاد واٰتوا الزکوٰۃ اور واٰتوا حقہ یوم حصادہ میں علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر "العفو" کی شق بھی رکھ دی اور "العفو" کا ذکر قرآن میں صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں وارد ہوا۔ انفاق فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں خرچ کرنے) کی دو قسمیں ہیں۔ واجب و ضروری کہ اس کے ترک پر گناہ و عذاب کا مستوجب ہو۔ یہ زکوٰۃ و عشر پر صادق آتا ہے۔ دوسرا مستحب کہ اس کے ترک پر گناہ و عذاب کا موجب تو نہیں لیکن وہ باہمی تعاون و ہمدردی و اخوت اور اخلاقی قدروں کی علامت و عظمت و شرافت انسانی کی نشانی ضرور ہے اور "العفو" اسی سے عبارت ہے جہاں تک انفاق واجب یعنی زکوٰۃ و عشر کا تعلق ہے اس کے لیے اموال بھی متعین ہیں اور نصاب بھی: لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ صحابہ کرام کا مدعا بعض دوسرے انفاق کے بارے میں سوال انفاق واجب کے علاوہ کسی اور انفاق سے متعلق ہوگا اور وہ انفاق مستحب ہے، یعنی باہمی تعاون و ہمدردی کی بنیاد پر رضاکارانہ ایثار جو انسانی قدروں کی ترقی کا ذریعہ ہے اور وسعت ظرفی کا ثبوت بھی جو شرافت انسانی کا ایک لازمہ ہے اور مزدوروں کے لیے بونس وغیرہ کی بنیاد اسی حقیقت پر مبنی ہے" جو العفو" میں مضمر ہے۔ علاوہ ازیں سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان جو گہرا ربط و تعلق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں، اس کی اہمیت بھی اس بات کی متقضی ہے کہ سرمایہ دار مقررہ تنخواہ اور مزدوری کے علاوہ بھی مزدور و اجیر کے ساتھ وقتاً فوقتاً احسان و رواداری کا برتاؤ کرتا رہے جو پیداوار و منافع میں سے ششماہی یا سالانہ بونس کی صورت میں ادا کیا جائے جسے اسلامی معیشت میں ایک کریمانہ اور فیاضانہ معاونت باہمی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مزدور میں ایک مزدور کی حیثیت سے بڑھ کر

سرمایہ دار کے حق میں ایک ہمدرد کارکن ہونے کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہی جذبہ اسے دیانت و محنت پر مزید ابھارے گا اور محنت ہی پیداوار میں ترقی اور اضافے کا باعث ہے ؎

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

زمیندار اور کسان کا مسئلہ

اسی طرح اسلام کے نظامِ معیشت نے کسانوں کو وہ مقام بخشا ہے جس کی مثال اسلام کے سوا دنیا کے کسی ازم میں نہیں ملے گی۔ زراعت و کھیتی باڑی سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشاداتِ عالیہ دلیل کے طور پر کافی ہیں جو گزشتہ سطور میں مذکور ہوئے۔

کاشتکار اور زمیندار کا صحیح مقام

ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ کسان و مزارع اور زمیندار کو جو محنت کرکے زمین آباد کرتا ہے اور زراعت کی مدد سے ملک کی معیشت کے استحکام میں مدد دیتا ہے، اس کا جائز مقام نہیں ملا۔ اسلامی معاشرے میں وہ صداقت اور بنیادی مستحق ہے کیونکہ پوری قوم بلکہ بڑے بڑے بادشاہ تک بھی اس کی کمائی کھاتے ہیں ؎

اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب بے نوا

کاشتکار اور زمیندار کے درمیان جو حاکم و محکوم کا غیر عادلانہ سلسلہ قائم ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت میں وہ سراسر غلط اور ظلم و زیادتی ہے کیونکہ اس میں زمیندار ایک آقا و حاکم اور کاشتکار ایک غلام و محکوم نظر آتا ہے۔

زمیندار اور کاشت کار برابر کے کاروباری ہیں

لیکن اسلام کاشتکاروں پر کس قدر احسان ہے

کہ اس نے زمیندار اور کاشتکار کے درمیان ایک ایسا مقدس اور پرُوقار تصور قائم کیا ہے، جس کی رُو سے زمیندار و کاشتکار برابر کے کاروباری متصور ہوتے ہیں، کسی کو ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے، کیونکہ صاحب زمین اگر مستاجر منہ ہے، تو دوسرا مستاجر ہے۔ یعنی مستاجر منہ اور مستاجر میں حاکم ومحکوم کا کوئی تصور نہیں، بلکہ دونوں کی برابر کی رضا مندی سے معاملہ طے پاتا ہے اور اگر بٹائی کی صورت ہے، تو ایک طرف سے زمین ہے، تو دوسری طرف سے بیج دوسائل کاشت اور محنت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ زمیندار حاکم وآقا اور کاشتکار محکوم وغلام ہو؛ چنانچہ ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں :

لان المزارعة فيها الاجارة والشركة تنعقد اجارة ثم تتم شركة۔ (ج ۶ صـ۱۷۷)

یعنی اس لیے کہ مزارعت میں اجارہ اور شرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔ یہ ابتداء معاملہ میں اجارہ اور نتیجہ میں شرکت بن جاتی ہے۔

اور اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے (ملاحظہ ہو، ج ۲ صـ۴۹۹ طبع مصر) اور امام ابویوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :

وَكَذَالِكَ الْاَرْضُ عِنْدِىْ هِىَ بِمَنْزِلَةِ مَالِ الْمُضَارَبَةِ (صـ۸۸)

یعنی جیسے مضاربت درست ہے کہ ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے محنت اور نفع میں دونوں شریک۔

اسی طرح میرے نزدیک زمین بھی مال مضاربت کے بمنزلے ہے۔

یعنی ایک صاحب زمین اور دوسرا مستاجر اور دونوں نفع میں شریک ہیں، خواہ مزارعت کا معاملہ ہو یا اجارہ کا ہدایہ شریف میں ہے :

فَيَجُوْزُ اِعْتِبَارًا بِالْمُضَارَبَةِ۔ (ج ۱ ص ۴۲۲)

کہ مزارعت مضاربت کے اعتبار سے جائز ہے۔

اسی طرح نسائی شریف میں ہے:

كَانَ مُحَمَّدٌ يعني ابْنَ سِيْرِيْنَ يَقُوْلُ الْاَرْضُ عِنْدِيْ مِثْلُ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَمَا صَلُحَ فِيْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ صَلُحَ فِي الْاَرْضِ وَمَا لَمْ يَصْلُحْ فِيْ مَالِ المضاربۃ لَمْ يصلحُ فى الارضِ۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۶)

امام محمد ابن سیرین فرماتے تھے کہ میرے نزدیک زمین مالِ مضاربت کی طرح ہے تو جس کی مالِ مضاربت میں گنجائش ہے اس کی زمین میں گنجائش ہے اور جو مالِ مضاربت میں جائز نہیں وہ زمین میں جائز نہیں۔

یعنی زمین کا معاملہ لگان اور بٹائی میں مضاربت کے مال کی طرح ہے اور مضاربت باہمی تعاون و شراکت پر مبنی ہے جس میں فریقین کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ان میں حاکم و محکوم اور آقا و غلام کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ لہٰذا زمیندار کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ کاشتکار سے زمین معلوم کی کاشتکاری کے علاوہ دوسری خدمات بالجبر لے۔ یہ عین ظلم ہے جسے اسلام کا نظامِ عدل ہرگز برداشت نہیں کرتا۔

میں کہ میری نوا میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

مزارعت میں وارد متعارض حدیثوں میں تطبیق

مزارعت یعنی زمین کو بٹائی پر دینے کے بارے میں جو متعارض احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ ممانعت کی حدیثیں اس صورت پر محمول ہیں کہ متعاقدین زمین کے حصے کرلیں کہ اس طرف کی پیداوار

فلاں کے لیے اور دوسری طرف کی فلاں کے لیے چنانچہ اس کی تائید میں صحیح بخاری کی حدیث شریف پیش خدمت ہے۔ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں:

كُنَّا اَكْثَرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حَقْلاً كَانَ اَحَدُنَا يُكْرِىْ اَرْضَهُ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِىْ وَهٰذِهٖ لَكَ فَرُبَّمَا اَخْرَجَتْ ذِهٖ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهٖ فَنَهَاهُمُ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم۔ (ج ۱ ص ۳۱۳)

یعنی ہمارے ہاں اکثر اہلِ مدینہ کاشت کرتے تھے اور ہم میں سے کچھ لوگ اپنی زمینیں کرائے پر دیتے اور کہتے کہ یہ ٹکڑا میرا ہے اور یہ تیرا۔ پس کبھی اس ٹکڑے میں پیداوار ہوتی اور کبھی اس میں، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (طریقہ سے مزارعت کرنے) کو منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زمین بٹائی پر دینا بلاشبہ جائز ہے اور اس میں زمیندار و کاشتکار برابر کے معاملہ دار ہیں اس میں حاکمیت و محکومیت کے تصور کو اسلام برداشت نہیں کرتا۔ نیز اگر زمیندار کاشتکار کو رہائشی جگہ اور مکان دیتا ہے تو محض اس کی وجہ سے اسے کاشتکار کو اپنا غلام بنانا جائز نہیں۔ اگر چاہے تو وہ اس جگہ کا مناسب کرایہ لے سکتا ہے، ورنہ یہ کاشت کار کے ساتھ باہمی رواداری اور ہمدردی پر مبنی مراعات تصور ہوگی اس سے اس کو اپنا خدمت گار یا غلام نہیں بنا سکتا ہے

کہہ رہا ہے داستاں بے دردیٔ ایّام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر

آبپاشی ملکی زراعت کی ترقی کے لیے وسائلِ آبپاشی میں ترقی و توسیع بھی ضروری ہے۔ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں اسے بھی اہمیت حاصل ہے، اس لیے اسلام نے اس کے حسب ذیل ضوابط و قواعد مقرر کیے ہیں:

۱۔ تالاب، کنوئیں، جوہڑ اور چشمے اگر کسی خاص شخص کی ملکیت میں نہیں ہیں، تو ان میں سے پبلک کے تمام افراد حقدار و نفع اٹھانے کے مجاز ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں مذکور حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کے پانی پینے کے واقعہ سے عیاں ہے۔ سورۂ شعراء کو ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں

حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلَاثٍ فِی الْمَاءِ وَالْکَلَاءِ وَالنَّارِ (ابوداؤد ج ۴ ص ۴۹۲)

کہ تمام مسلمان تین چیزوں یعنی پانی گھاس اور آگ میں برابر کے شریک ہیں۔

امام شمس الائمہ المبسوط میں فرماتے ہیں (بخوفِ طوالت صرف ترجمہ دیا جاتا ہے) کہ دوسری روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں:

"اَلنَّاسُ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلَاثٍ" تمام لوگ ان تینوں چیزوں میں برابر کے حصہ دار ہیں اور یہ پہلی روایت ابوداؤد کی روایت سے عام ہے کہ اس میں تمام انسانوں کی شرکت کا اعلان ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، اور پانی کے بارے میں یہ شرکت وادیوں، دریاؤں (یعنی خودرو پانی) سے متعلق ہے۔ جیسے دریائے سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل (اور پنجاب میں پانچوں دریا اور نہریں) اس لیے کہ ان سے فائدہ اٹھانا ایسا ہے جیسے سورج کی دھوپ اور ہوا سے فائدہ حاصل کرنا کہ اس میں تمام کائنات انسانی برابر کے شریک ہیں کسی کو حق نہیں کہ دوسرے کو روک سکے، اس کی مثال شارع عام کی سی ہے کہ اس پر مسلمان و کافر سب کو چلنے کا حق ہے اور (بعینہٖ) شرکت

(وارد در حدیث) سے اصل اباحت اور انتفاع میں تمام انسانوں کا مساوی ہونا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ ان کی ملکیت ہے کہ وادیوں اور دریاؤں میں موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں۔ (المبسوط ج صفحہ ۱۶۴)

یہ آبپاشی کا حق تھا، البتہ شخصی کنوؤں، حوضوں اور تالابوں وچشموں میں پانی پینے اور جانوروں کو پلانے کا ہر ایک کو حق ہے۔ مالک اس پانی کو پینے کے لیے فروخت نہیں کرسکتا، البتہ برتنوں میں بھرا ہوا پانی فروخت کرسکتے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْمَاءِ إِذَا كَانَ فِي الْأَوْعِيَةِ (کتاب الخراج ص۹۵) — کہ جب پانی برتنوں میں ہو تو اسے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر ایک شخص کے پاس پانی ہے اور دوسرے کو اس قدر پیاس ہے کہ خطرۂ جان تک نوبت پہنچ رہی ہے اور قوتِ خرید بھی نہیں اور پانی کا مالک معاوضہ کے بغیر پینے کی اجازت نہیں دیتا، تو اس کی اجازت کے بغیر ہی جیسے ہوسکے پانی لے کر پیاس بجھائے۔ کتاب الخراج میں ہے:

إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَالَ ضَرُورَةٍ يَخَافُ عَلَىٰ نَفْسِهِ (ص۹۶) — کہ خطرۂ جان کی حالت میں بلا اجازت پی لے۔

اسی سے واضح ہوگیا کہ معاشیاتِ نظامِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انسانی زندگی کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہو، تو اس کے مقابلہ میں ذاتی ملکیت کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ یہ پانی تک ہی محدود نہیں، اس حکم میں دیگر ضروریاتِ زندگی بھی شامل ہیں جن پر انسانی زندگی کے بقا کا دارومدار ہے۔ زبردستی لے کر جان بچانے کا علاج تو آخری علاج ہے اور یہ ان سے برتا جاتا ہے جو سرمایہ دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں انسانی زندگی کی قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن اسلام وایمان کے تقاضوں سے بہرہ ور مسلمان یہاں تک نوبت پہنچنے ہی نہیں دیتے، بلکہ وہ اس کے برعکس اپنے ایثار وخدمتِ خلق

کے عملی جذبہ سے معاشرہ میں یک رنگی پیدا کیے بغیر نہیں رہتے ؎

باغباں ہو سبق آموز جو یک رنگی کا — ہمزباں ہو کے رہیں کیوں نہ طیور گلزار

دے وہی جام ہمیں کہ مناسب ہے یہی — تو بھی سرشار ہو تیرے سفقا بھی سرشار

فالتو پانی بیچنے والا روزِ قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا

اور بہتر یہ ہے کہ جس کے پاس فالتو پانی ہو تو وہ آبپاشی کے لیے دوسروں کو مفت میں دے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ کی زمینوں کی سیرابی کے بعد باقی پانی کو تیس ہزار درہم میں فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب آپ کی اجازت مطلوب ہے آپ نے جواب دیا کہ میں نے تمہارا مطلب سمجھ لیا لیکن میرے پیشِ نظر وہ حدیث ہے جس میں ضرورت سے زیادہ پانی اور گھاس کو روکنے اور دوسرے کو فائدہ نہ پہنچانے والے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ناراضگی کا ذکر ہے

مَنَعَہُ اللّٰہُ فَضْلَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَاِذَا جَاءَکَ کِتَابِیْ ھٰذَا فَاسْقِ نَخْلَکَ وَزَرْعَکَ وَاَصْلَکَ وَمَا فَضَلَ فَاسْقِ جِیْرَانَکَ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ۔

(کتاب الخراج صـ۹۲)

کہ ایسا شخص روزِ قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا، تو جب تیرے پاس میرا خط پہنچے تو اس پر عمل کرتے ہوئے پہلے اپنے باغوں کھیتوں اور زمینوں کو سیراب کر اور جو فالتو پانی ہو اسے بیچنے کے بجائے اپنے اس پڑوسی کو دو جو تمہارے سب سے زیادہ قریب ہو پھر اس کے بعد قریب ہو۔

البتہ اگر پانی والے کا کچھ خرچ ہوا ہو تو پانی لینے والے سے مناسب اور کم از کم جو خرچ ہوا ہو لے سکتا ہے لیکن پیداوار کا نصف لینا دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے

مترادف ہے۔ جو جذبۂ ایثار و اخلاق عالیہ و ہمدردی کے منافی ہے۔

آبیانہ آبپاشی کی نہریں اور سرکاری ذرائع آبپاشی صرف مصالح عامہ اور معاشی وسائل کی ترقی کے لیے ہیں۔ حکومت کو اجازت نہیں کہ وہ انہیں آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنائے۔ اگر حکومت کا بیت المال (خزانہ) اس قدر متحمل ہے کہ ان نہروں اور ٹیوب ویلوں کی حفاظت اور بقا کے لیے عملہ و ضروریات کا بوجھ اٹھا سکتا ہے، تو عوام سے آبیانہ یعنی پانی کی قیمت وصول کرنے کی اسلام کا نظام معیشت اجازت نہیں دیتا اور اگر بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس قدر قلیل آبیانہ لیا جا سکتا ہے جس سے ان نہروں کی اور ٹیوب ویلوں کی حفاظت و بقا کے انتظامات ہو سکیں اور جہاں عوام کو نہروں کی ضرورت ہو، وہاں سربراہ مسلمین کے لیے ضروری ہے کہ نہریں کھدوائے اور اس کا خرچہ عوام کے نہیں، بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ ہاں اگر بیت المال میں اس قدر سرمایہ نہیں کہ نہر کی کھدوائی کو کافی ہو سکے، تو بقدر ضرورت دولت مندوں سے لے سکتا ہے، چنانچہ کتاب المبسوط میں ہے:

وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَيْتِ الْمَالِ فَلَهُ اَنْ يُجْبِرَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى ذَالِكَ وَيُخْرِجَهُمْ لِاَنَّ الْمَنْفَعَةَ فِيْهِ لِلْعَامَّةِ فَفِيْ تَرْكِهِ ضَرَرٌ عَامٌّ (ج ۲۳ ص ۱۷۵)

اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو حکومت اسلامیہ کا سربراہ دولت مند مسلمانوں کو مجبور کر کے ان سے مالی امداد لے سکتا ہے، کیونکہ اس میں سب کا فائدہ ہے اور اس کے ترک میں سب کا نقصان۔

اسلام کے نظام معیشت پر حرف گیری کرنے والے ذرا غور فرمائیں کہ اس میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ ملکی خزانہ اخراجات کا متحمل ہے۔ اس میں ٹیکس عائد کرنے کو مشغلہ بنانے کی اجازت نہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر اس نظام کی بہتری اور برتری کسی کو نظر نہ آئے، تو اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے ؎

میں نے تو کیا پردۂ اسرار کو بھی چاک
دیرینہ ہے تیرا مرضِ کورنگاہی

سُود کا خاتمہ

خداوند قدوس اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

(ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (اپنی قبروں سے) ایسے اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھوکر باؤلا کر دیا — یہ اس لیے ہے کہ انہوں (سود خوروں) نے کہا کہ بیع سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے تو جسے خدا کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ (آئندہ کے لیے سود سے تائب ہوکر) باز آگیا تو گزر چکا، اسے معاف ہے اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور جو پھر ایسا کریں وہ دوزخی ہیں، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ سود میں بے برکتی ڈال کر (اس) کو مٹاتا اور صدقات (حلال کمائی) کو بڑھاتا ہے اور ناشکرے گنہ گار کو خدا پسند نہیں کرتا۔ (القرآن) دوسرا ارشاد:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا (کسی کے پاس) سود رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم مسلمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نہیں اپنے اعلانِ جنگ سناتے ہیں! خدا اور رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرلو تو تمہیں تمہارا اصل مال (مقروض سے) ملے گا نہ تم دوسروں پر ظلم کرو اور نہ ہی کوئی دوسرا تم پر ظلم کرے۔ (القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(ترجمہ) سود لینے، دینے، سود کا کاغذ لکھنے اور اس پر گواہ ہونے والے پر لعنت اور فرمایا کہ یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں۔ (مسلم)

ابن ماجہ اور بیہقی شریف میں مروی ہے:

(ترجمہ) سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں۔ ان میں سب سے کم درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(ترجمہ) معراج کی رات کو کچھ ایسے لوگوں پر سے میرا گزر ہوا جن کے پیٹ مکان کی طرح بڑے بڑے تھے۔ ان پیٹوں میں زہریلے سانپ اور بچھو تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے۔ جبرائیل نے بتایا کہ یہ سود خوار ہیں۔

سودا برابر برابر

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے، گیہوں گیہوں کے، جو جو کے، کھجور کھجور کے اور نمک نمک کے بدلے میں برابر (مثلاً بمثل) اور دست بدست (ادھار کے بغیر) بیچ سکتے ہو اور جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو، بیچو جبکہ دست بدست ہو۔ (صحیح مسلم شریف)

مجتہدین امت نے اس حدیث صحیح کو جس کی صحت وشہرت درجۂ تواتر تک ہے۔ تجارتی کاروبار میں ربا (سود) سے متعلق اساس و بنیاد قرار دیا ہے اور اپنے اجتہاد سے ان وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث میں بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے ربا (سود) کا باعث بنتا ہے۔ اس کی تفصیل عنقریب آتی ہے

ازالۂ شبہ

رہا یہ سوال کہ قرآن کریم نے تو سود کی اس شکل کو منع کیا ہے جو اضعاف مضاعف سود (سود در سود ہو) تھوڑے سے سود کی حرمت کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اضعاف مضاعف قید واقعی ہے نہ کہ قید احترازی۔ جب

سود کو منع کیا گیا، اس وقت چونکہ اضعاف مضاعف سود در سود کی صورت رائج اور وقوع پذیر تھی۔ اس لیے یہ قید شامل ہوگئی، ورنہ سود بہر صورت ممنوع ہے خواہ سود در سود ہو یا تھوڑا سا ہو، چنانچہ سنت کی روشنی میں واضح ہے، موطا شریف میں ہے:

لَا يَجُوْزُ مِنْهُ قَلِيْلٌ وَلَا كَثِيْرٌ — یعنی سود کسی طرح بھی جائز نہیں نہ

موطا امام مالک ج ۲۔ ص ۱۰۱ — تھوڑا اور نہ زیادہ۔

نفع کی شرط سے قرض حرام

نفع کی شرط سے قرض لینا دینا حرام ہے اور سود قرار پایا ہے حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ وَجْهٌ مِنْ وُجُوْهِ الرِّبٰوا (بیہقی عن فضالہ ج ۵ ص ۳۵ بیوع وجامع صغیر عن علی ج ۲۔ ص ۹۳)

یعنی جس قرض میں قرض دہندہ کے لیے نفع کی شرط ہو، وہ سود ہی کی ایک قسم ہے۔

قرض بلا سود کا ثواب

حاجت مندوں کو بلا قرض سود دینا اسلام کے نزدیک بہترین عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرض دینے والے کو اس وقت تک قرض دی گئی رقم کے برابر روزانہ راہ خدا میں خیرات کرنے کا ثواب ملتا رہتا ہے، جب تک کہ مقروض قرضہ واپس نہ کر دے۔

مجبوری کی صورت میں سود دینا غیر ملکی قرضے اور سود

اگر ایک شخص اس قدر مجبور ہے کہ نہ کھانے کے لیے ہے نہ چھپانے کو مکان میسر نہیں۔ بچوں کے بھوکوں مرنے کا اندیشہ ہے، قرض نہیں اور نہ ہی اسے قرض بلا سود ملتا ہے، تو اس صورت میں وہ قرض لے کر اپنی ضرورت شدیدہ پوری کر سکتا ہے۔ اسے سود دینے کا گناہ نہ ہوگا۔ ہاں سود لینے والا مبتلائے معصیت ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی ملک کی معیشت اس قدر کمزور ہے یا کسی بلا و آفت سے تباہ و برباد ہو گئی ہے کہ وہاں

معیشت کی نظر سے ہرگز لائق تحسین نہیں، بلکہ قطعاً غلط اور لائقِ نفرین ہیں۔ ظاہر ہے کہ دین اسلام جو دینِ فطرت ہے۔ اس غیر فطری کاروبار کی کیسے اجازت دے سکتا ہے۔ اسلام نے اس لیے سود کو حرام قرار دیا ہے کہ اس کی حرمت ایک فطری تقاضا ہے۔ اسی میں حیاتِ حقیقی کا راز مضمر ہے ؎

دیں مسلک زندگی کی تقویم
دیں سرِّ محمدؐ و براہیمؑ

مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے۔ مجتہدین کرام نے مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ وضابطہ اخذ کیا ہے جسے پیش نظر رکھنے کے بعد عند الضرورت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ دونوں طرف سے خرید و فروخت کی شیئ اگر ہم جنس ہوں اور ماپ تول سے بکتی ہوں۔ مثلاً سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے، گیہوں گیہوں کے، جو جو کے، نمک نمک کے اور کشمش کشمش کے عوض لی دی جائے تو کھوٹے کھرے منقوش و غیر منقوش، کم قیمت و بیش قیمت اور عمدہ وردی کے لحاظ کے بغیر دونوں طرف سے ماپ و تول میں برابری اور نقد خریداری ضروری ہے نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ہی ادھار درست ہے۔ اگر ایک چیز زائد اور دوسری چیز کم ہو تو یہ سود ہوگا اور اسے ربا الفضل کہتے ہیں اور اگر ایک چیز اسی وقت دی جائے اور دوسری کے بعد میں دینے کا وعدہ کیا جائے۔ تو یہ بھی ناجائز ہے اور اسے ربا النسیئہ (ادھار کا سود) کہتے ہیں۔

ہم جنس کا مطلب

ہم جنس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزوں کا نام بھی ایک ہو اور کام و مقصد بھی ایک تو وہ ایک ہی جنس کہلائیں گی اور اختلاف جنس، اصل مقصد اور وصف کے اختلاف (مختلف ہونے) سے متحقق ہوتا ہے۔ (الدر المختار مع الشامی ج ۵ ص ۱۸۳)

جیسے گیہوں اور جو، کپڑے کی قسمیں، لوہا، پیتل، تانبا، سیسہ، اون، ریشم، سوت، گائے، بکری، بھیڑ اور دنبہ کا گوشت اور روغنیات سب مختلف جنسیں ہیں، لیکن کھجور سب ایک جنس ہے (ملاحظہ ہو فتاوی شامی ج ۵ ص ۱۷۴)

اگر دو چیزیں غیر جنس ہوں، مگر تولی، ماپی جاتی ہوں تو اس صورت میں ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو تو جائز ہے، مگر ادھار حرام۔ اسی طرح ایک جنس کپڑے کے ایک تھان کو دوسری جنس کے "دو تھان کے عوض بیچا یا گندم کا ایک من دو من جو کے عوض بیچا، تو دست بدست جائز ہے، ادھار پر جائز نہیں اور اگر دو چیزیں ہم جنس نہیں اور نہ ہی ماپی تولی جاتی ہیں (اگرچہ دو میں سے ایک ماپی یا تولی جاتی ہے) تو ایسی صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں مثلاً ایک طرف سے گندم یا کپڑا اور دوسری طرف سے قیمت کہ یہاں جنس بھی بدل گئی اور قدر بھی (ماپ تول دونوں میں نہیں ایک میں ہے) تو یہاں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں کہ ایک طرف سے دو من اور دوسری طرف سے ساٹھ روپے یا ایک طرف سے ایک تھان اور دوسری طرف سے پچاس روپے نقد اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ کما ہو مفصل و مدلل فی کتب الفقہ ـــہ

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

سود سے بچنے کی تدابیر

آج کل سود کی اس قدر کثرت ہے کہ قرض حسنہ (قرض بلا سود) کوئی شاذ و نادر ہی دیتا ہے۔ لوگ دولت کی ہوس اور دنیا پرستی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ نفع کے بغیر قرض دینا ہی نہیں چاہتے اور ضرورت مند بھی اگرچہ اس قدر شرعی مجبوری میں مبتلا نہیں ہوتے کہ ان کے لیے اس حالت میں ایک حرام جائز ہو جائے بلکہ لڑکے لڑکی کی شادی ختنہ اور دیگر تقریبات میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور برادری و خاندان کے رسوم میں

اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ جس قدر نصیحت کی جائے، ایک نہیں سنتے رسم و رواج میں کمی کرنے کو اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مسلمان بھائیوں سے پہلے تو یہ گذارش ہے کہ ان رسوم و تکلفات سے بچیں، چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں، دُنیا و آخرت کے تباہ کن نتائج و عذاب سے ڈریں، مصنوعی سی عزت یا برادری میں نام و نمود کا خیال کرکے آخرت کی زندگی کو تلخ نہ بنائیں، لیکن اس کے باوجود اگر باز نہیں آتے، تو انہیں عذاب الٰہی سے بچانے کی ہمدردی کے پیش نظر ہم کچھ طریقے عرض کرتے ہیں کہ مجبوری کی صورت میں سود لینے دینے کی بجائے اگر ان پر عمل کریں، تو فریقین خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ سکیں گے اور مطلب بھی پورا ہو جاتے گا۔ صرف لین دین کی صورت و نوعیت میں ترمیم و تبدیلی کرنا پڑے گی کہ جواز و عدم جواز لین دین کی نوعیت پر موقوف ہوتا ہے۔

نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے

اس سلسلے میں صحیح مسلم کی دو حدیثیں دلیل کے طور پر کافی ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو خیبر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، وہ خیبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اچھی سی کھجوریں لائے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! ہم ہلکی کھجور کے دو صاع کے بدلے ان کھجوروں کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے دو صاع لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، معمولی کھجوروں کو پیسوں سے بیچ کر اس قسم کی اچھی کھجوریں) خریدا کرو اور تول کی چیزوں میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶ طبع کراچی)

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہاں سے

لائے ہو؟ عرض کی کہ ہمارے ہاں خراب کھجوریں تھیں، وہ دو صاع دے کر ان کا ایک صاع لیا تاکہ آپ تناول فرمائیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا افسوس یہ تو بالکل سود ہے، ایسا نہ کرنا ہاں اگر ان کے خریدنے کا ارادہ ہو تو اپنی کھجوریں بیچ کر ان کے پیسوں سے یہ خریدا کرو۔ حضرت ابو سعید خدری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

فَرُدُّوْهُ ثُمَّ بِيْعُوْا تَمْرَنَا وَاشْتَرُوْا لَنَا مِنْ هٰذَا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷)

یعنی یہ کھجوریں انہیں واپس کر دو، پھر ہماری کھجوریں بیچو اور ہمارے لیے اس قسم کی کھجوریں خرید لاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کھجوریں سب ایک جنس ہیں کہ ان میں کمی بیشی پر تبادلہ جائز نہیں۔ ان حدیثوں سے اور بھی کئی ایک معاشی مسائل نکل آئے۔ ایک تو یہ کہ سود کی بیع کا فسخ کرنا واجب ہے کہ رُدُّوْهُ امر ہے اور امر وجوب کو مفید۔ دوسرا یہ کہ خریدی ہوئی چیز واپس کرنے پر اس کے مقابلے میں دی ہوئی چیز (ثمن) واپس کی جائے گی۔ تیسرا یہ کہ سود سے بچنے کو ایک ہی شخص سے دو بار لین دین کیا جا سکتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی میں اس کے خلاف کوئی شرط نہیں فرمائی کما افادہ الامام النووی رحمۃ اللہ علیہ چوتھا یہ کہ عقد کی نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے۔

ان حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ بات دہی ہے کہ عمدہ اور بڑھیا کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں، لیکن اپنی معمولی کھجوریں زیادہ دے کر لیتے ہیں، تو سود ہوتا ہے اور اپنی کھجوریں بیچ کر پیسوں سے اچھی کھجوریں خریدیں، تو جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ شریفہ میں سود سے بچنے کی وہ صورتیں جو ہم نقل کرنے لگے ہیں، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَمِثْلُ هٰذَا مَرْوِیٌّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (فتاویٰ امام قاضی خان ھامش فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

اور سود سے بچنے کی وہ صورتیں اور تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:

سود سے بچنے کی تدبیر اگر کوئی شخص کسی کو کچھ میعاد کے لیے مثلاً دو روپے نفع پر دس روپے قرض دینا چاہتا ہے، تو مقرض (قرض دینے والا) مستقرض (قرض لینے والے) سے دس روپے کی کوئی چیز خرید کر اسے دس روپے دے دے، پھر اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اس چیز کو مستقرض کے ہاتھ طے شدہ میعاد تک ادھار پر بارہ روپے میں بیچ دے۔ اس سے مقرض کے مستقرض کے ذمہ دس روپے کی جگہ بارہ روپے ہو جائیں گے۔ اس میں دو روپے نفع کے ہو گئے اور اس طرح سے سود سے بھی بچ گئے۔

دوسری تدبیر مقرض اپنی کوئی چیز مثلاً ایک سو دس روپے میں مستقرض کے ہاتھ بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے، پھر مستقرض اس شیئ کو کسی اور کے ہاتھ ایک سو روپے میں بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے، پھر مقرض اس دوسرے شخص سے اسی چیز کو سو روپے میں خرید لے اور وہ دوسرا شخص مقرض سے سو روپے لے کر مستقرض کو دے دے۔ اس طرح سے مقرض کی چیز اس کے پاس واپس آگئی، مگر مستقرض کے ذمہ مقرض کے ایک سو دس روپے لازم اور واجب الادا رہے (قاضی خان مع عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

تیسری تدبیر مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ مثلاً تیرہ روپے چھ ماہ کی مدت کے ادھار پر بیچ دے، پھر اس کے قبضہ میں دے دے، پھر مستقرض اسی چیز کو کسی دوسرے آدمی کے ہاں بیچ دے، پھر اس دوسرے سے قبل قبضہ یا بالعد قبضہ بیع کا اقالہ کر کے اس چیز کو مقرض کے ہاتھ دس روپے میں بیچ کر اس سے دس روپے لے لے۔ اس سے مقرض کی چیز بھی واپس آگئی اور اسے تین روپے نفع کے مل گئے اور مستقرض کا کام بھی ہو گیا، سود بھی نہ ہوا، لیکن افسوس کہ مسلمان دینِ فطرت کی ایسی تدابیر سے غافل رہ کر سود ایسی لعنت میں مبتلا ہیں ۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات

چوتھی تدبیر ایک اور تدبیر ہے جس کو اختیار کر کے حصولِ مقصد کے باوجود سود سے بچا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ ایک مدت کے لیے ادھار پر بیچ دے اور اس کے قبضہ میں دے دے، پھر اسی چیز کو مستقرض خرید کردہ قیمت سے کم قیمت پر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور وہ دوسرا اسی چیز کو خرید کردہ قیمت پر مقرض کے ہاتھ بیچ دے اور مقرض سے قیمت لے کر مستقرض کو دے دے، اس طرح سے مستقرض کو قرض مل جاتا ہے اور مقرض کی چیز مقرض کو واپس مل جاتی ہے اور سود کی معصیت میں پڑے بغیر مقرض کو نفع بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس تدبیر کا امام محمد علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا جسے بیع العینہ کہتے ہیں اور موصوف مشائخ بلخ سے ناقل ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ بیع العینہ ہمارے زمانے کے بازار میں مروجہ بیوع سے بہتر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

العينة جائزة ماجورة و قال اجره لمكان الفرار من الحرام (فتاوى قاضى خان مع عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹ مصری)	کہ بیع العینہ جائز ہے اس کا ثواب ملے گا اور ثواب اس لیے ملے گا کہ سود والے حرام سے بچنے کے لیے اسے اختیار کیا گیا۔

پانچویں تدبیر مقرض اپنی چیز کو مستقرض کے ہاتھ بیچے، مثلاً مستقرض کو اگر سو روپے ضرورت ہیں تو اسے سو روپے کی چیز اتنی قیمت پر جتنا اسے سو روپے پر نفع درکار ہو، مثلاً سو روپے پر دس روپے نفع چاہتا ہو تو اسے مقررہ مدت تک ادھار پر سو روپے کی چیز ایک سو دس روپے میں بیچ دے پھر

مستقرض اسے بازار میں ایک سو روپے پر فروخت کرکے اپنے سو روپے کھرے کرے پھر اختتام مدت پر مقرض کو ایک سو دس روپے ادا کردے (بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۷۱)

چھٹی تدبیر

یہ تدبیر فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے ہے جیسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَصْحَابُنَا وَمُوَافِقُوْهُمْ فِيْ اَنَّ مَسْئَلَةَ الْعِيْنَةِ لَيْسَتْ بِحَرَامٍ وَهِيَ الْحِيْلَةُ الَّتِيْ يَعْمَلُهَا بَعْضُ النَّاسِ تَوَصُّلًا اِلٰى مَقْصُوْدِ الرِّبَا بِاَنْ يُعْطِيَهٗ مِائَةَ دِرْهَمٍ بِمِائَتَيْنِ فَيَبِيْعُهٗ ثَوْبًا بِمِائَتَيْنِ ثُمَّ يَشْتَرِيَهٗ مِنْهُ بِمِائَةٍ (شرح الامام النووی علی الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۶)

کہ ہمارے حضرات شوافع اور ان کے ہمنوا علماء نے اس حدیث سے اس میں استدلال کیا ہے کہ بیع العینہ حرام نہیں اور بیع العینہ اس تدبیر کو کہتے ہیں جسے لوگ (سود سے بچنے کے لیے) سود کے مقصود (نفع) تک رسائی کے لیے اختیار کرتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی ضرورتمند کو دو سو روپے کے بدلے ایک سو روپے دینا چاہتا ہے، تو اس کے ہاتھ دو سو روپے میں ایک کپڑا بیچ کر پھر اسی کپڑے کو اس شخص سے ایک سو روپے میں خرید کرلے۔

بینک

اسلام نے حرمتِ سود سے متعلق جو اصول قائم کیے ہیں، عام سودی لین دین کے علاوہ دورِ جدید کے وہ ترقی یافتہ ادارے اور کمپنیاں بھی اس حرمت کے تحت آجاتی ہیں جن کا مدار سودی لین دین پر ہے، چنانچہ ان میں سے ایک ادارہ بینکنگ سسٹم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑی بڑی تجارتوں کی سہولت و نیز دولت کے ذخیرہ کی حفاظت اور ان سے مزید زرکشی و حصول نفع کے لیے اس ترقی یافتہ دور میں بینکوں کا وجود نہایت ضروری ہے، لیکن خوشنما تصویر میں جو خطرہ کارفرما ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ یہ کہ ملکی

معیشت کو تباہ و برباد کرنے اور دولت مندوں کو مزید دولت مند اور غریبوں کو مزید غریب بنانے میں ان بینکوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے، اور کر رہے ہیں۔ بینک خوبصورت طریقے سے دولت کو دولت مندوں میں محدود کرتے اور عوام کی غربت کو ہولناک اور تباہ کن حد تک پہنچاتے ہیں۔ تہذیبِ نو کے اس جال کو جو بینک کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ دورِ قدیم کی مہاجنی منڈیوں کے بیوپار کی ایک نئی تصویر قرار دینا بہتر ہوگا۔ سرمایہ داروں کی تجوریاں بھرنے اور غریبوں کی تمنا کے خون کرنے کا کردار یہی بنک ادا کر رہے ہیں سے

قصاصِ خونِ تمنا کا مانگیے کس سے؟
گنہ گار ہے کون اور خونِ بہا کیا ہے؟

کوآپریٹو سوسائٹیاں

بینک کے طریقے کی دوسری صورت ہے جسے کوآپریٹو سوسائٹی (مجلس امداد باہمی) کہا جاتا ہے یہ اگرچہ غریب کاشتکاروں، مزدوروں اور متوسط طبقے کے لوگوں کو قرض دینے کی بنیاد پر چلائی جاتی ہیں، لیکن یہاں بھی چونکہ سود کی لعنت موجود رہتی ہے، اس لیے ہمارے ملک میں جس قدر سوسائٹیاں ہیں، غریب قرض خواہوں کے لیے وبالِ جان ہیں اور ان مقاصد کی بجائے ان کے لیے باعث نقصان ثابت ہوتی ہیں۔

نظامِ مصطفٰے کا اقتصادی نقشہ

اس کے برعکس اسلام کا اپنا ایک اقتصادی نقشہ ہے جس میں وہ خرابیاں نام کو نہیں ہیں جو بینکوں اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں موجود ہیں۔ اگر ملک کے معاشی نظام کو اس نقشہ کے مطابق چلایا جائے تو پھر بینکوں کے موجودہ سسٹم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور اگر بینک سسٹم کی ضرورت بھی پیش آئے تو بینکوں کے قیام کی ایسی شکلیں ممکن ہیں جو سود کے بغیر اس مقصد کو پورا کر سکیں جس کے لیے ان بنکاری ادارہ کی ضرورت پیش آتی یعنی انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے لیے سرمایہ اور امانت کے طور پر زر کا تحفظ جیسا کہ عنقریب اس کی توضیح آ جائے گی۔

اسلام باہمی امداد کے اجتماعی اداروں کو جو سود کے لین دین سے پاک ہوں جائز و مستحسن قرار دیتا ہے۔ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ اسلام نے ان صحیح ذرائع کی طرف راہبری فرمائی ہے جس سے معاشرہ کے متوسط اور غریب لوگ نہ صرف سرمایہ داروں اور دولت مندوں کے استیصال سے بچ سکیں۔ بلکہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد وہ خوشحالی اور فارغ البالی کی منزل بھی پاسکیں گے، بلکہ ان کی زندگی حقیقی مسرتوں کی کی شرح و عملی تفسیر بن جائے گی ۔

خوب و نا خوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرارِ حیات

امدادِ باہمی کے اجتماعی ادارے

بینکوں کے موجودہ ظالمانہ سسٹم کو ختم کرکے امدادِ باہمی کے ادارے قائم کیے جائیں اور دولت مندوں کو اس سودی نظام کے خاتمے کے بعد یا تو خود ہی اپنی دولت کو کسی صنعت، تجارت یا زراعت میں لگا کر نفع آور بنانا ہوگا یا وہ ان امدادِ باہمی کے اداروں سے وابستہ ہو کر نفع پاسکیں گے جن کے کاروبار کا مدار نفع و نقصان کی شراکت پر ہوگا۔ یہ ادارے بینکوں کی طرح شہر شہر، بلکہ قریہ قریہ قائم ہوں اور حکومت کی تحویل میں نہیں۔ بلکہ اس کی امداد و امانت پر ہوں۔ البتہ حکومت ان امدادِ باہمی کے اداروں میں مالی حصہ شامل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، اسی طرح حکومت انفرادی تجارت کو فروغ دینے کے لیے با اعتماد تاجروں کو قرض بھی دے گی، یعنی حکومت کی رقم سے افراد یا ادارے پرائیویٹ اور نجی طور پر کاروبار کریں گے اور وہ رقم قرض کے طور پر بھی ہو سکتی ہے اور نفع نقصان میں شراکت پر بھی۔

بلا سُود بینکاری

بلا سود بنکاری کا مطلب یہ ہے کہ سودی نظام کو یکسر ختم کر کے انہیں امداد باہمی کے تجارتی اور کاروباری اداروں کی جائز اغراض اور مقاصد کا حامل کر دیا جائے اور یہ قطعاً ممکن ہے، ہر نئے کام کا مرتب کرنا ابتدائی مراحل میں کچھ مشکل تو ہوتا ہے، لیکن صحیح جذبے سے نیک نیتی اور تسلسل کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے، تو ساری رکاوٹیں خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور آخر کامیابی ہوتی ہے۔ جس جذبے سے استیصالی قوتوں نے اس باطل نظام کو یہاں نافذ کیا تھا اور وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی طرح اگر اس سطح کے جذبۂ اسلامی سے حق و صداقت اسلامیہ کے علمبردار اس خدائی نظام کو نافذ کر دیں، تو وہ بطریق اولیٰ کامیاب ہوں گے۔ بینکوں کے کچھ امور اب بھی ایسے ہیں جو بعد میں بھی جاری رکھے جا سکتے ہیں جن میں سود کا عنصر موجود نہیں، مثلاً کمیشن پر خدمات انجام دینا، امانتوں کا رکھنا اور لاکرز مہیا کرنا، زیورات، دستاویزات، کاغذات، سندات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا، سفری چیک، بینک ڈرافٹ جاری کرنا، اسی طرح گاہکوں کی طرف سے خرید و فروخت، صنعتی کاروبار اور دیگر امور میں ماہرانہ مشورے دینا جو سود کے عنصر سے پاک ہیں، پھر بھی جاری رہیں گے۔ بہر حال بلا سود بینکاری کے کاروبار کی صورتیں بہت ہیں اور وہ صورتیں ہر ملک میں جگہ اور ہر کہیں کامیابی سے اپنائی جا سکتی ہیں ؎

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

غیر ملکوں سے لین دین

غیر ممالک سے قرضے لینے کی بجائے تمام ملکی ذرائع کو بروئے کار لا کر اپنے ملک کو خود کفیل بنانے کی کوشش کی جائے۔ اشیاء تعیش کی درآمد مطلقاً بند کر دی جائے اور بیرون ملک سے کسی شدید ضرورت کے بغیر کوئی چیز درآمد نہ کی جائے اور مجبوری کی صورت میں مال کا مال

سے تبادلہ کر لیا جائے، تو سود کی نوبت ہی نہ آئے گی، البتہ جب مال کو قیمت میں خریدیں گے، تب سود کا سوال ہو گا۔ تو اس صورت میں سود سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ادائیگی کی میعاد تک جو سود بنتا ہو، اسے اشیاء صرف یعنی درآمد شدہ مال کی قیمت میں اضافہ قرار دے کر شروع ہی سے اس قرار یافتہ بھاؤ پر ہی ان کا لین دین کیا جائے، اس پر سود نہ دینا پڑے گا، مثلاً ایک چیز دس ڈالر میں آتی ہے اور دس ڈالر قسط کی صورت میں پانچ ماہ میں ادا کرنا ہیں اور ان دس ڈالروں پر تین ڈالر سود کے مل کر تیرہ ڈالر ہوں گے، تو شروع ہی سے پانچ ماہ کی مدت پر وہ تیرہ ڈالر میں خریدی جائے، تو اس سے سود کی ادائیگی سے بچ جائیں گے اور غیر ممالک اس معاملے میں تعاون کرنے سے گریز کریں، تو جواز بامرِ مجبوری کا قول ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، اس پر عمل کیا جائے۔

بینکوں میں بنیادی تبدیلی

بینکوں کو امداد باہمی کے اجتماعی کاروباری اسلامی اداروں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بنیادی تبدیلی کرنی پڑے گی اور وہ یہ بینک حکومت کے کنٹرول سے آزاد پبلک اتھارٹی کے تحت ہوں گے۔ البتہ حکومت سرمتعلقہ امداد مہیا کرنے کے لیے سرپرستی کرے گی تاکہ کوئی فسادا اور غلط عنصر اس نظام میں رخنہ اندازی یا خرابی کرنے کی نہ سوچ سکے۔ دوسرے یہ کہ بینک اپنا کاروبار سود کی بجائے شرکت یا مضاربت کے طریقے پر انجام دیں گے۔ اس طرح سے نام کے بینک ہوں گے، مگر حقیقت میں امداد باہمی کے وہی اجتماعی کاروباری ادارے ہوں گے جو اسلام کے نظامِ معیشت میں ہوا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں شرکت و مضاربت کے طریقے قابلِ ذکر ہیں جو ہماری کاروباری بیتابیوں کو قرار دے سکتے ہیں ؎

میرے باغِ سخن کے لیے تو بادِ بہار
میرے بیتاب تخیل کو دیا تو نے قرار

شرکت ومضاربت

شرکت اس بات کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ فریق کاروبار کریں اور ایک طے شدہ نسبت کے مطابق ان میں نفع تقسیم ہوتا اور نقصان بھی سب کو اپنے اپنے سرمایہ کی مناسبت سے برداشت کرنا پڑتا ہے، شرکت میں ہر حصہ دار اپنے حصہ پر مالکانہ حقوق رکھتا ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق فروخت یا ہبہ بھی کر سکتا ہے۔ کارکنوں میں کبھی کاروبار کے لیے ایک مدت طے پا جاتی ہے۔ اس مدت میں نفع ونقصان کی باہمی شرائط کے مطابق تقسیم ہوتی رہتی ہے اور کبھی بلاتعیین مدت تسلسل سے بھی چلتا رہتا ہے۔ اور مضاربت یہ ہے کہ ایک فرد یا پارٹی کا سرمایہ ہو اور اس سرمایہ سے کاروبار کوئی دوسرا فرد یا دوسری پارٹی کرتی ہے، اس میں سرمایہ لگانے والا فریق کاروبار میں عملی حصہ نہیں لیتا، بلکہ ایک طے شدہ نفع کا حقدار ہوتا ہے، لیکن اگر نقصان ہو جائے، تو اہل سرمایہ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور کاروبار کرنے والی کی محنت رائیگاں جاتی ہے اور کاروبار میں نفع ونقصان ہوتا ہی رہتا ہے ؎

کہیں سامان مسرت کہیں سازِ غم ہے
کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

لیکن جب نفع ہوتا ہے، تو اس سے عام طور پر نقصان کی تلافی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

بینکوں کی حیثیت

بینکوں سے سودی نظام کو ختم کرنے کے بعد ان کی حیثیت ان تجارتی اداروں کی ہو گی جو تاجروں کے مخصوص سرمایہ سے قائم ہوتے ہیں اور ان تجارتی اداروں میں اگر حکومت اپنا حصہ شامل کرے، تو کر سکتی ہے اسے اس کے حصہ کے مطابق نفع ونقصان برداشت کرنا ہو گا۔ یہ بینک یا دوسرے لفظوں میں امداد باہمی کے اجتماعی ادارے مضاربت ومشارکت پر کام کریں گے علاوہ ازیں با اعتماد عوام کو چند ... اعتماد یا شخصی ضمانت ... بطور قرضے بھی دیں گے اور یہی انفرادی کا...

یا زرعی یا صنعتی کاروبار میں ان قرضوں سے استفادہ کریں گے۔ نیز یہ ادارے عوام کو مشارکت و مضاربت پر بھی رقم دے سکتے ہیں۔ نیز عوام کاروبار کیلئے مندرجہ بالا صورتوں میں بھی بیت المال سے قرضے اور مضاربت پر رقم لے سکتے ہیں۔ حکومت کو عوام سے تعاون کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ملکی نظام کی کامیابی کا دارومدار حکومت و عوام کے باہمی جذب و تعاون پر ہی ہے

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

حضرت ابوموسیٰ اشعری (بصرہ کے گورنر) کا دو تاجروں کو بیت المال سے قرض دینا

امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر و عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ایک لشکر میں عراق گئے، واپسی پر یہ جب بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ہوتے ہوئے گزرے، تو انہوں نے خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ اگر آپ کو مالی فائدہ پہنچانے کی کوئی صورت ہوتی، تو میں اسے ضرور اختیار کرتا پھر فرمایا کہ نیز ایک صورت نکل آئی ہے، وہ یہ کہ میں اللہ کے مال سے کچھ مال امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں، میں اسے آپ حضرات کو قرض پر دیتا ہوں، اس سے تم عراق کی اشیائے تجارت میں سے کچھ چیزیں خرید لو اور مدینہ منورہ میں جاکر انہیں فروخت کر دینا اصل سرمایہ امیر المومنین کے حوالے کر دینا (کہ وہ بیت المال میں جمع فرمادیں گے) اور نفع تمہیں مل جائے گا فقالا وددنا ذالك انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی یہ تجویز پسند ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور ان چیزوں کو بیچا، تو انہیں نفع ہوا، تو انہوں نے (ماجرا بیان کرتے ہوئے) راس المال (اصل سرمایہ) امیر المومنین کے حوالے کر دیا۔ امیر المومنین نے سوال کیا (ابوموسیٰ اشعری نے سب لشکر سے اسی طرح نوازش فرمائی ہے جس طرح تم دونوں سے؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اس لیے کہ تم امیر المومنین کے صاحبزادے ہو (یہ خصوصی نوازش کی) یہ پسند نہیں

کرتا، جو کچھ تمہیں نفع ہوا وہ بھی لاؤ اور بیت المال میں اصل سرمائے کے ساتھ اسے بھی جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ تو خاموش رہے، لیکن حضرت عبیداللہ نے امیرالمومنین سے نظرِ ثانی کی گذارش کی اور عرض کی کہ اگر ہمیں نقصان ہوتا یا اصل سرمایہ ہم سے ضائع ہو جاتا تو چونکہ یہ قرض تھا اس لیے ہم اصل سرمایہ جمع کرانے کے پابند تھے آپ نے مانے اور اصل سرمایہ کے ساتھ سب نفع بھی جمع کرانے کا حکم۔ حضرت عبداللہ اب بھی خاموش رہے اور حضرت عبیداللہ نے دوبارہ نظرِ ثانی کی درخواست کی، تو حضرت عمر کے ایک ہم نشین نے حضرت عمر اور حضرت عبیداللہ کے درمیان ثالث بن کر مشورہ دیا یا امیرالمومنین لو جعلتہ قراضاً۔ امیرالمومنین! میرا مشورہ ہے کہ اس معاملے کو آپ قرض محض قرار دیں کہ سارا نفع صاحبزادوں کا ہو اور نہ ہی امانت کے منافع کی طرح سارا نفع صاحب امانت یعنی بیت المال کو جائے بلکہ آپ اسے مضاربت قرار دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ مجھے منظور ہے۔ لہٰذا میں نے اسے مضاربت (صاحبزادے بھی اس پر راضی ہو گئے) تو آپ نے کل نفع کا نصف صاحبزادوں سے لے کر بیت المال میں جمع کرا دیا اور بقیہ نصف کو صاحبزادوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔

مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۱۷۲ (طبع مصر) ۔

ترجمانِ نبی، ہم زبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہند زوجہ حضرت ابوسفیان کو قرض دینا اور حضرت ابوسفیان کا ضامن بننا

حکومت بیت المال سے نجی قرضے بھی فراہم کر سکتی ہے اس سلسلے میں اعتماد یا ضمانت کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ امام طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ہند بنت عتبہ زوجہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے چار ہزار درہم بطور

قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کی جائے۔ آپ نے قرض کی واپسی کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ضمانت لے لی اور انہیں قرض دے دیا۔ انہوں نے تجارت کی اور نفع کی کی بجائے نقصان اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نقصان کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرض کی رقم مسلمانوں کا مال ہے۔ اگر میرا ذاتی معاملہ ہوتا، تو میں آپ سے مطالبہ نہ کرتا۔ آپ نے حضرت ابوسفیان کو بلوا کر انہیں اس وقت تک اپنے ہاں روکے رکھا۔ جب تک کہ حضرت ہند نے پورا قرض واپس نہ کر دیا (ملاحظہ ہو تاریخ طبری حوادث ۲۳ھ ج ۵ ص ۲۹/۳۰ اور کتب فقہ میں بھی اسی طرح ہے۔ نیز حدیث میں ہے الزعیم غارم کہ کفیل ضامن ہے۔

اے عمر! عدل تیرا فطرت کی آبرو ہے
حق کا ہو بول بالا تیری قدیم خو ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مضاربت پر ایک شخص کو سرمایہ دینا

مندرجہ بالا روایت قرضے سے متعلق تھی اور یہ روایت مضاربت سے متعلق ہے جیسے امام مالک اپنی موطا میں حضرت مالک بن عبدالرحمن سے اور وہ اپنے والد عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں (اپنے دور خلافت میں) مضاربت پر سرمایہ دیا تاکہ وہ اس سے کاروبار کریں اور نفع دونوں کا ہو (ملاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۷۳ طبع مصر)

الغرض حکومت بینکوں (امداد باہمی کے اجتماعی کاروباری اداروں) اور بیت المال سے عوام کو قرض اور مضاربت پر سرمایہ دے تاکہ عوام کی معاشی حالت بہتر ہو اور حکومت کو بھی نفع پہنچے۔

عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کیلئے حکومت اور تاجروں کو ہدایت

مروجہ محصول چونگی

حکومت ناجائز طور پر اور جبراً عوام سے جو مصارف وصول کرتی ہے، ان میں سے ایک محصول چونگی بھی ہے ملکی معیشت کو خراب کرنے میں اس کا بھی بڑا دخل ہے کہ تاجر اشیائے صرف کی قیمتوں کے بڑھانے کے جواز میں جو اسباب و علل ملحوظ رکھتے ہیں، ان میں ایک محصول چونگی بھی ہے، چونکہ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں عشور کی مد ذرائع آمد میں موجود ہے جس کی تشریح گزر چکی ہے۔ لہٰذا محصول چونگی کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ فاضل علم معیشت حکیم الامت مولانا احمد علی اعظمی نوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۲۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا محصول چونگی ختم کر دینا

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے بنو امیہ کے حکمرانوں نے کچھ عرصہ قبل محصول چونگی عائد کر دیا تھا۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی چونگی ساری مملکت سے معاف کر دی اور گورنروں کو لکھا کہ یہ نجس ہے۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

ولا تبخسوا الناس اشیاءھم (الآیۃ) لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دو

فرمایا کہ لوگوں نے اس کا نام بدل کر یعنی محصول کے نام سے اسے جائز بنا لیا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں، چند شرعی محاصل کے علاوہ ہر طرح کے ناجائز محاصل اور ٹیکس جو سابق حکمرانوں نے عائد کر رکھے تھے، یکسر معاف کر دیے اور خشکی اور سمندر کے راستے کھول دیے، کاروبار پر ہر طرح کی پابندیاں اٹھالیں تاکہ لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ صفحہ ۵۰ بہ تغییر یسیر)

عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی ممانعت

اسلام کے اقتصادی نظام میں حکومت کو اشیائے صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس پر الٹا اثر پڑتا ہے کہ جس چیز کی قیمت پر کنٹرول ہوتا ہے، وہ بازار سے غائب کر دی جاتی ہے اور اس کا دستیاب ہونا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کی بلیک میلنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً عوام بیچارے اس کی صورت دیکھنے کو بھی ترستے رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب غلّہ کی گرانی کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی، تو آپ نے اس تجویز پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقَی اللّٰہَ وَلَیْسَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ یُطَالِبُنِیْ بِمَظْلَمَۃٍ فِیْ دَمٍ وَّلَا مَالٍ (ابوداؤد عن انس ج ۲ ص ۴۷۹ و ترمذی عنہ ج ۲ ص ۱۵۷)

کہ نرخ مقرر کرنے والا، تنگی کرنے والا، کشادگی کرنے والا، رزق دینے والا اللہ ہی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ خدا سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے کسی حق کا مطالبہ نہ کرے، خون کے متعلق اور نہ مال کے متعلق۔

صدر الشریعہ حکیم الامت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

امام یعنی بادشاہ کو غلہ وغیرہ کا نرخ مقرر کر دینا کہ جو نرخ مقرر کر دیا ہے، اس سے کم و بیش کر کے بیع نہ ہو، یہ درست نہیں (بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۰۵)

خاص حالات میں کنٹرول کی اجازت

خاص حالات میں کنٹرول کرنے کی اجازت ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ تاجروں نے اگر چیزوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا اور نرخ مقرر کیے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا، تو حاکم علماء کرام اور سوجھ بوجھ والے اہل علم و دانش سے مشورہ

لے کر نرخ مقرر کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو:

فَاِنْ كَانَ اَرْبَابُ الطَّعَامِ يَتَحَكَّمُوْنَ وَ يَتَعَدَّوْنَ عَنِ الْقِيْمَةِ تَعَدِّيًا فَاحِشًا وَعَجَزَ الْقَاضِيْ عَنْ صِيَانَةِ حقوق المسلمين الا بِالتَّسْعِيْرِ فحِيْنَئِذٍ لَابَأْسَ بِهٖ بِمَشْوَرَةِ اَهْلِ الرَّاْيِ وَالْبَصِيْرَةِ

(هدایہ ج ۴ صـ۱۷ و در مختار صـ۳۰۲)

یعنی اگر تاجر حضرات ڈھٹائی پر اتر آئیں اور قیمتوں میں کھلی زیادتی کرنے لگیں، اور حاکم وقت مسلمان صارفین کے حقوق کا تحفظ قیمتوں میں کنٹرول کرنے میں ہی سمجھے تو اہل رائے اور اہل علم و دانش حضرات کے مشورہ سے قیمتوں پر کنٹرول کر سکتا ہے۔

نیز حاکم وقت کو اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کوئی تاجر، دکاندار مقررکردہ قیمت سے زیادہ وصول نہ کرے۔ چنانچہ احادیث سے بھی اسی طرح واضح ہوتا ہے

ایک گراں فروش دکاندار کو فاروق اعظم کی تنبیہ (گراں فروشی کا سدباب)

اسلام کا معاشی نظام جہاں ایک طرف ایک خاص حکمت کے تحت عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کے حق میں نہیں ہے وہاں دوسری طرف تاجروں اور مارکیٹ کے دکانداروں پر بھی کڑی نظر رکھتا ہے کہ وہ کہیں غبن فاحش و گراں فروشی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔ دکانداروں کو نفع کمانے کی اجازت ہے اور بلاشبہ وہ نفع کما [illegible] مگر غبن فاحش اور بے تحاشہ گراں فروشی کی اجازت بھی نہیں دیتا بلکہ اسلام [illegible] ایسے دکانداروں اور تاجروں کو بازار سے اٹھا دینے کی بھی سفارش کرتا ہے جو بے جا نفع اندوزی اور گراں فروشی پر اترے ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں خلیفہ وقت اور اس کے [illegible] حکام شہروں میں صورت حال کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہیں گے [illegible] وہ اپنے [illegible] تادیبی کارروائی کرنے کے مجاز ہیں [illegible] گراں فروشی کا [illegible]

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ مَرَّ عَلٰی حَاطِبِ بْنِ اَبِیْ بَلْتَعَۃَ وَھُوَ یَبِیْعُ زَبِیْبًا لَّہٗ بِالسُّوْقِ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ اِمَّا اَنْ تَزِیْدَ فِی السِّعْرِ وَاِمَّا اَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوْقِنَا (موطا امام محمد ص۳۴۲)

کہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا گزر ایک دکاندار حاطب بن ابی بلتعہ سے ہوا، وہ بازار میں منقّی بیچ رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ منقّی کا نرخ زیادہ سستا کرو، ورنہ ہمارے بازار سے دکان اٹھالو۔

ملّا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کی عبارت ان تزید میں لا محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اما ان لا تزید ہے اور ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ راقم اس کی مثال میں آیت والذین یطیقونہ پیش کرتا ہے کہ یہاں بھی حرف لا محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے والذین لا یطیقونہ اور اگر ہمزہ سلب کا ہو تو پھر لا کے حذف کی ضرورت نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَبِھٰذَا نَاْخُذُ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُسَعَّرَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ فَیُقَالُ لَھُمْ بِیْعُوْا کَذَا بِکَذَا وَیُجْبَرُوْا عَلٰی ذٰلِکَ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَھَائِنَا (موطا امام محمد ص۳۴۲)

یعنی ہماری یہی رائے ہے کہ عام حالات میں مسلمانوں پر قیمتوں کا کنٹرول نہ کیا جائے، البتہ خاص حالات میں گراں فروشوں سے کہا جائے گا کہ فلاں فلاں قیمت پر بیچو اور انہیں مجبور کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور ہمارے فقہا کی یہی رائے ہے۔

لہٰذا گراں فروشی کے سدِباب کے لیے دوسرا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے، تو ایسے خاص حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی بلا شبہ اجازت ہے اور اس کی خلاف ورزی پر مناسب تادیبی کارروائی بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے جو خلاف ورزی کے مرتکب کو مارکیٹ سے نکال دینے، جرمانے یا جسمانی سزا کی صورت میں ہوسکتی ہے اور تعزیری کارروائی ضروری ہے کہ دینی

آخرت سے بے خبر تاجروں کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے
ہاتھوں سے ان کے دامنِ دیں ہے نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی

افراطِ زر

نیز افراطِ زر نے ملکی معیشت کو خراب کر رکھا ہے، اس کا خاتمہ ہو تو معیشت پر اچھا اثر پڑے گا۔ سونا چاندی خلقت و پیدائش کے اعتبار سے نقد ہیں، اس لیے یہ نقد اصلی اور نقد حقیقی ہیں اور روپیہ نقد اصطلاحی یا نقد عرفی ہے یہ نقدِ اصلی کی جگہ نقد عارضی ہے۔ نقد اصلی کی نقدیت کو کوئی طاقت منسوخ نہیں کر سکتی، مگر روپیہ اور نوٹ کی نقدیت کو جب چاہیں منسوخ کر دیں، منسوخ ہونے کے بعد یہ سو کا نوٹ چار آنے کا بھی نہیں رہے گا، تو جب نوٹ اور روپیہ نقد عارضی اور نقد اصلی (سونے چاندی) کی جگہ ہے، تو نوٹ اور روپے اتنا ہی چھاپنے چاہئے جتنا ہمارے ملک کے پاس سونا اور چاندی ہو، کیونکہ یہ روپیہ تو سونے اور چاندی کی نسبت سے ثمن اصطلاحی ہے، تو سونا اور چاندی منسوب الیہ ہوتے اور روپیہ منسوب [illegible] مقابلۃً بڑھ جائے گا۔ وہ بلا نسبت رہ جائے گا اور وہی معیشت کی بدحالی کا باعث بنے گا اور بن رہا ہے۔ لہٰذا ملک کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے [illegible] کہ افراطِ زر (بلا نسبت کا روپیہ اور نوٹ) ختم کیا جائے، کیونکہ اس سے ملک کی معاشی حالت سدھرتی نہیں، بلکہ بدستور خراب بلکہ زیادہ خراب ہوتی ہے۔

تیرا جلوہ کچھ بھی تسلیٔ دلِ ناصبور نہ کر سکا
وہی گریۂ سحری رہا، وہی آہِ نیم شبی رہی

بیعانہ واپس نہ کرنے کی ممانعت

تاجروں میں رواج ہے [illegible] جب کوئی شخص کسی چیز کا پکا کرتا ہے، تو بیعانہ دے کر بائع (بیچنے والے) کو اس بیع کا پابند بنا لیتا ہے۔ [illegible]

اگر وہ کسی وجہ سے اس چیز کو خریدنے سے رہ جائے تو تاجر اس بیعانہ کو بحق خویش ضبط کر لیتے ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے؛ چنانچہ امام مالک وابوداؤد، ابن ماجہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعانہ ضبط کر لینے سے منع فرمایا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اپنی موطا میں فرماتے ہیں:

فَاِنْ نَدِمَ الْمُشْتَرِیْ فَقَالَ لِلْبَائِعِ اَقِلْنِیْ وَ اَنْظِرْکَ بِالثَّمَنِ الَّذِیْ دَفَعْتُ اِلَیْکَ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَصْلُحُ وَ اَھْلُ الْعِلْمِ یَنْھَوْنَ عَنْہُ الخ

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۴۳ مصری)

کہ اگر مشتری نادم ہو اور بائع سے کہے کہ بیع کا اقالہ کیجیے اور جو بیعانہ میں تمہیں دے چکا ہوں وہ میں نے چھوڑ دیا تو بائع کو ایسا کرنا جائز نہیں اور اہل العلم یعنی علماء اس سے منع فرماتے ہیں۔

لہٰذا تاجروں کو بیعانہ کا رکھ لینا جائز نہیں، بلکہ مشتری کو واپس کر دیا جائے۔ مجبور انسان کی درخواست پر بیع کو توڑ دینا ثواب ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس سے بائع و مشتری میں سے مجبور کے ساتھ تعاون کرنے والے کے گناہ خدا تعالیٰ روزِ قیامت معاف فرمائے گا۔

معدوم کی بیع سے ممانعت تاجر لوگ اپنے تجارتی کاروبار میں جہاں کئی ایک اور غیر اسلامی کاروباری طریقِ کار میں ملوث ہو کر معاشی بحران کا سبب بنتے ہیں، وہاں معدوم (عدیم الوجود) اشیاء کی خیالی تجارت کر کے بھی معاشی بدحالی کا موجب بنے ہوئے ہیں، حالانکہ اسلام نے عدیم الوجود شیئی کی خرید و فروخت سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی

چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو (ترمذی ج ۲ صہ ۱۴۸ مجتبائی)

اور ترمذی کی دوسری روایت، اور ابوداؤد و نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے، وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی (میں بیع کر دیتا ہوں) پھر بازار سے خرید کر اسے دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا لا تبع مالیس عندك جو تیرے پاس نہ ہو اسے نہ بیچو (ترمذی ج ۱ صہ ۱۴۸ ونسائی ج ۲ صہ ۲۲۵ وابوداؤد ج صہ ۴۲۸) اس حدیث کے بعد امام ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں؛

وَالعملُ علیٰ ھٰذا عِند اکثرِ	اور امت کے اکثر علماء کا اس پر عمل ہے
اھلِ العلمِ کرِھُوا ان یَبیعَ الرجلُ	وہ بیع معدوم کو مکروہ و ممنوع قرار
مَالیسَ عندہٗ (ج ۱ صہ ۱۴۸)	دیتے ہیں۔

اگر تاجر حضرات اس حدیث کے مطابق عمل کریں اور معدوم کی بیع کرنا چھوڑ [illegible] تو ہماری معاشی حالت روبہ اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر تاجروں کو ملک و ملت سے ہمدردی ہوگی تو وہ اس لعنت سے کنارہ کیے بغیر نہیں رہیں گے ؎

دیکھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا
تیرے آباء کی نگہ بجلی تھی جس کے واسطے
وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت آفریں ؎
ہے وہی باطل تیرے کاشانۂ دل میں مکیں

معدوم کی بیع حلال نہیں

ترمذی، ابوداؤد و نسائی نے عمرو بن [illegible] ابیہ عن جدہ سے [illegible]

لا یحل کا لفظ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا [illegible]

لا یحل سلفٌ و بیعٌ ولا [illegible] ادھار اور بیع ملا کر [illegible] حلال [illegible]

شرطان فی بیع ولابیع مالیس عندک۔ (ترمذی ج ۱ ص۱۲۵ نسائی ج ۲ ص۲۲۳ وابوداؤد ج ۲ ص۴۹۵)

اس طرح کہ میں نے یہ چیز آپ کے ہاتھ اس شرط پر بیچی کہ آپ مجھے قرض دیں اور نہ ہی بیع (ایک یا) دو شرطوں سے مثلاً کپڑا لیتا ہوں، مگر تمہیں سلوا اور رنگ کرا کر دینا ہوگا) اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس نہیں۔

جس پر قبضہ نہیں کیا اس کا نفع بھی ممنوع

ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں ولا ربح ما لم یضمن کے لفظ ہیں، یعنی جب تک خرید کردہ تمہارے قبضہ وضمان میں نہ آجائے، اسے بیچ کر نفع کمانا بھی تمہارے لیے ناجائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شے (خرید کردہ) پر جب تک خریدار قبضہ نہ کرے، اس وقت تک اس کی بیع آگے جائز نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا بھی یہی حکم ہے کہ (اشیاء منقولہ پر) مشتری کا قبضہ ضروری ہے، بیع تو محض ایجاب وقبول اور شے کی دیکھ بھال کے بعد قطعاً ہوگئی، لیکن اگر مشتری بیع (خرید کردہ چیز) کو آگے بیچ کر نفع کمانا چاہتا ہے، تو پہلے بیع پر قبضہ کرے، پھر اس کی بیع کرے، ہاں اشیاء غیر منقولہ میں رعایت ہے کہ قبل القبض ان کی بیع جائز اور نفع بھی حلال ہے۔ (ملاحظہ ہو موطا امام محمد ص۳۳۱)

بولی سے بیع کا جواز

یہ جو بولی سے بیع کی جاتی ہے، یہ بلا شبہ جائز ہے۔ ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ٹاٹ اور پیالہ بیچا اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کون خرید کرتا ہے۔ ایک صاحب بولے میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ یَّزِیْدُ علٰی درھم مَنْ یَّزِیْدُ علٰی درھم۔

کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے، ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ میں دو درہم دیتا ہوں، تو اس نے دو درہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیئے اور آپ نے دونوں چیزیں اس کو دے دیں (ترمذی ج ۱ صـ۱۴۶) ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی اسی طرح ہے، لہٰذا بولی جائز ہوئی۔ مگر جھوٹ کی بولی جائز نہیں کہ ایک آدمی بائع کی طرف سے اس کی سازش سے خریدار بن کر آجائے اور صرف قیمت بڑھانے کے بہانے بولی میں حصہ لے، اس سے حدیث میں ممانعت آتی ہے۔ ایسے ناجائز حربوں اور حیلوں سے باز آکر وہ اسلامی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن میں مسلمان کی دنیاوی بھلائی بھی ہو اور آخرت کا فائدہ بھی ہے

جن کی تابانی میں انداز کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

بولی میں قیمت کا توازن قائم رہنا چاہیے

بولی میں قیمت کا تناسب و توازن قائم رہنا چاہیئے۔ حدیث مذکور سے واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بولی پر فوراً مبیع کو بولی دینے والے کے حوالے کر دیا، حالانکہ اس (مبیع) کی قیمت اور بڑھانے کے لیے مزید بولی دی جا سکتی تھی، مگر آپ نے تعلیماً مزید بولی ترک فرما دی تاکہ خریدار کو بازار میں اس چیز کے دام زیادہ نہ بڑھانے پڑیں اور مارکیٹ میں اس چیز کی قیمت تناسب و توازن سے گراں واقع نہ ہو۔ بولی دینے اور نیلام کرنے والے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو مشعل راہ بنا لیں تو مہنگائی کا خاتمہ ہی ہو جائے۔

ملک میں گرانی اور مہنگائی کے بنیادی اسباب

غیر اسلامی طریقے میں ہوتا جروں اور کاروباری حضرات میں رائج ہو چکے ہیں یا انہوں نے امیر سے امیر تر بننے کی ہوس میں ان [illegible] طریقوں کو اپنا لیا ہے یہ بات مسلم اور ناقابل تردید ہے کہ جب [illegible]

اسلامی اور شرعی طریقوں کے مطابق کاروبار کرنے کا جذبہ و عمل تھا، مہنگائی نام کو نہ تھی اور جب سے غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقے جزو تجارت بن گئے۔ جب سے مہنگائی بڑھتی چلی گئی اور کوئی تدبیر انسداد کارگر ثابت نہ ہوئی ع۔

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

مہنگائی کے دُور کرنے اور معاشرہ کے خوشحال ہونے کی صورت اور واحد صورت

یہی ہے کہ کاروباری حضرات رضاکارانہ طور پر (یا حکومت کے حکم سے) اپنے کاروبار کی بنیاد اسلامی اور شرعی طریقوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں کچھ طریقے تو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں جائز اور ناجائز کی تفصیل بھی حدِ ضرورت تک گزر چکی ہے۔ اب ہم اس سلسلے میں مزید کچھ عرض کرتے ہیں تاکہ حضرات ان پر عمل کر کے نظامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی شعبوں میں بہتر کردار ادا کر کے مہنگائی کے کم کرنے میں مدد دے سکیں۔ اس سلسلے میں تاجروں کو

بیع باطل اور فاسد

سے احتراز کرنا چاہیئے۔ بیع باطل اور فاسد کی وضاحت یہ ہے کہ جس صورت میں بیع کا کوئی رُکن جس کے بغیر دو فریقوں میں بیع عمل میں نہیں آسکتی) مفقود ہو یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو، وہ بیع باطل کہلاتی ہے (یعنی بیع حرام و ناجائز) مثلاً پاگل یا بے عقل بچّہ کو بیع میں فریق بنانا بیع باطل ہے کہ ایجاب و قبول بیع کا رُکن ہے اور بچّہ غیر عاقل ایجاب و قبول کرنے کا اہل نہیں، لہٰذا اس صورت میں بیع کا رُکن مفقود ہوگا۔ اسی طرح مردار، خون اور شراب ایسی حرام چیز یا کسی آزاد انسان کی بیع بھی باطل و حرام و ناجائز ہے کہ یہ چیزیں بیع کے قابل ہی نہیں ہیں اور اگر رُکنِ بیع یا بیع کے قابل و محل میں کوئی خرابی نہ ہو، بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور خرابی لازم آتی ہو تو اسے بیع فاسد کہتے ہیں، مثلاً شراب ایسی حرام چیز کے معاوضہ کو لے کر آگے اس کے ساتھ کوئی سودا سلف لینا دینا یا ایسی چیز کا سودا کرنا جسے خریدار کے حوالہ کرنا بس میں نہیں، یا عقد و

بیع کے تقاضوں کے خلاف کوئی شرط عائد کر دینا بیع کو فاسد و خراب کر دیتا ہے۔ فتاویٰ درمختار میں ہے:

وَکُلُّ مَا اَوْرَثَ خَلَلًا فِیْ رُکْنِ الْبَیْعِ فَھُوَ مُبْطِلٌ وَمَا اَوْرَثَه فِیْ غَیْرِہٖ فَیُفْسِدُہٗ۔ (ص۴۳۴ مطبع احمدی دھلی)

کہ جس سے رُکنِ بیع میں خلل آئے، اس سے بیع باطل ہوتی ہے اور جس چیز سے رُکن و محل کے علاوہ کسی میں خلل آئے، وہ بیع کو فاسد کرتی ہے۔

بیعِ مکروہ بیعِ مکروہ سے بھی بچنا چاہیے، مثلاً بولی کے وقت قیمت بڑھانے کے لیے اس قسم کے آدمی کو بولی میں شامل کر دینا جو خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتے، مگر دکھلاوے کے لیے بولی میں حصہ لیتے ہیں اور دام بڑھ چڑھ کر بتاتے ہیں تاکہ دوسرے تاجران سے بڑھیں اور وہ چیز مہنگے داموں فروخت ہو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعِ نجش سے منع فرمایا اور بیعِ نجش اسی طریقے کی بیع کو کہتے ہیں۔

بیعِ سلم بیعِ سلم جائز ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص نقد پیسے دے کر جنس غلہ وغیرہ ایک مدت معین تک لینے کا عہد لیتا ہے اور دونوں طرف سے ایجاب وقبول سے سودا طے ہو جاتا ہے، اسے بیع سلم کہتے ہیں۔ رقم دینے والے کو ربُّ السلم یا مسلم اور جنس دینے والے کو مسلم الیہ اور جنس کو مسلم فیہ اور رقم کو رأس المال اور اس طریقۂ بیع کو بیع سلم کہتے ہیں۔ اس کے جواز میں سات شرطیں ہیں:

(۱) جنس کا معلوم ہونا مثلاً گندم یا جو وغیرہ (۲) نوع کا معلوم و طے ہونا کہ کون سی قسم ہوگی (۳) وصف یعنی اعلیٰ ادنیٰ کا معلوم ہونا (۴) مقدار کا معلوم و طے ہونا (۵) مدت و مہلت کا معلوم و طے ہونا (۶) رقم کا معین و معلوم ہونا یعنی راس المال کا معلوم ہونا (۷) جنس مذکور کہاں پہنچانا ہوگی، جبکہ پہنچانے میں خرچہ ہوتا ہو۔

(ہدایہ ج ۳ ص۹۶ طبع یوسفی لکھنؤ)

عیاشی اور تکلفات سے روک تھام

اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں کوئی گنجائش نہیں کہ یہ اسراف و تبذیر ہے اور تبذیر و اسراف قرآن و سنت کی رُو سے حرام ہے۔ عیاشی سے مراد دولت کا بے جا ضیاع ہے۔ اچھا پہننا اور اچھا کھانا اور اچھا سلیقہ اختیار کرنا اسلام میں ممنوع نہیں، بلکہ کسی حد تک درست ہے۔ اسلام اس قدر تنگ دین و مذہب نہیں کہ خوش پوشی اور خوش خوری کو منع کرے، بلکہ مناسب حد تک یہ محمود و مطلوب ہے۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ، کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھٹے، پرانے کپڑوں میں ملبوس دیکھا۔ تو فرمایا کہ "کیا تیرے پاس مال ہے؟" فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور میرے پاس خدا کے فضل سے ہر قسم کا مال ہے۔

قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِيَ اللّٰهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ قَالَ فَلْيُرَ عَلَيْكَ۔

(ترمذی ج ۲ ص۲۱)

میں نے عرض کی کہ خدا نے مجھے ہر قسم کا مال دیا ہے، اونٹ اور بھیڑ بکری (بہت ہے) فرمایا کہ اس کا تجھ سے ظہور ہونا چاہیئے (یعنی خدا کی اس نعمت کا استعمال کر کے اظہار کرو۔ فقیرانہ لباس ترک کر دو)

لیکن آج جس طرح عیاشی کی بے لگام دوڑ جاری ہے۔ یہ ملکی و قومی اور انفرادی معیشت کے لیے خطرناک ہے۔ اس قسم کی عیاشی کی روک تھام ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کی ہدایات موجود ہیں۔ صرف عمل کی ضرورت ہے، پھر یہ معاشی ویرانی معاشی خوشحالی میں بدل سکتی ہے ؎

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

عیاشی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں

عیاشی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک

تو سرمایہ دار، اس میں زمیندار و تاجر اور صنعت کار تینوں گروہ شامل ہیں، ملکی معیشت کی کی بدتری اور خرابی کے یہی تین گروہ ذمہ دار ہیں، کیونکہ ملکی معیشت کا انحصار انہیں تین چیزوں پر ہے: تجارت و صنعت و حرفت اور زمینداری۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تاجر و صنعت کار اور زمیندار عیاشی کی دوڑ میں ان تینوں اداروں کے تقدس کا مذاق اڑانے میں پیش پیش ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض افراد اچھے بھی ہیں اور قابل تعریف بھی، مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں اور مناصب عالیہ پر فائز ہیں جو ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ اور دیگر بہت سی مراعات مفت میں حاصل کرتے ہیں یہ لوگ بھی عیاشی کی دوڑ میں بڑھ چڑھ کر شریک ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اور ریس میں نچلے طبقے کے لوگ بھی عیاشی کی راہ پر چلنے کی کوشش میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے رشوت ستانی وغیرہ ایسی خرابیاں پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں اور یہ خرابیاں ملک کے کم آمدنی والے سفید پوش طبقہ کے لیے وبالِ جان بن کر رہ گئی ہیں اور وہ نہ تو ناجائز ذرائع سے کمائی کرنا گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ کی ایسی ہمہ گیر خرابی کا اخلاقی مقابلہ کرنے کی اپنے میں ہمت پاتے ہیں، اس لیے وہ مالک بننے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اور یہ خرابی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کے پاس کوٹھی، کار اور ٹیلی ویژن ہو، کیونکہ موجودہ عیاشی کی دوڑ میں شرافت و انسانیت کا معیار صرف یہی تین چیزیں سمجھی جا رہی ہیں۔ اس دوڑ کا تدارک اور روک تھام بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی نظام کے تقاضوں کو بروئے کار لانے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی اشد سے اشد ضرورت ہے۔

نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہمنشیں مجھ سے وہ چشم سرمہ سا کیا ہے

عیاشی سے ممانعت کا ایک قانونِ فقہ

اس قانون کو قانون حجر (عیاشی ایسی بیہودگی کی روک تھام کا قانون) کہا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا قانونِ حجر عیاشی کی روک تھام کے لیے ایک مؤثر قانون ہے۔ لغت میں حجر کے معنی روکنا ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مال میں تصرف کرنے سے روکنا ہے۔ اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ قانونِ حجر کو صرف نابالغ بچے اور مجنون کے ساتھ مختص رکھتے ہیں، تاہم آپ کے صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ قانونِ حجر کو ان کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی عائد فرماتے ہیں جو اپنے مال کو عیاشی، بیہودگی اور لہو و لعب وغیرہ میں صرف کر کے معاشی خرابی کا باعث بنتے ہیں اور فقہا احناف نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی بجائے صاحبین کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ دیا، چنانچہ درمختار میں ہے:

وَعِنْدَ هُمَا يُحْجَرُ عَلَى الْحُرِّ بِالسَّفَهِ وَالْغَفْلَةِ وَبِهِ اَىْ بِقَوْلِهِمَا يُفْتىٰ۔ (صـ۴۴۶ مطبع احمدی دہلی)

یعنی صاحبین کے نزدیک بیہودہ اور عیاش لوگوں کو بھی قانونِ حجر میں شامل کیا جائے گا اور صاحبین کے قول ہی پر احناف کا فتویٰ ہے۔

اسی طرح فتاویٰ قہستانیہ ج ۴ صـ۵۸۶ پر فرماتے ہیں والمختار قولہما کہ صاحبین کے ہی قول کو اختیار کیا گیا ہے، یعنی عاقل و بالغ عیاش انسان پر اس کی بیہودگی و کج فہمی کی بنا پر اس بات کی پابندی عائد کر دی جائے کہ وہ اپنے مال میں شریعت و عقل مندی کے خلاف کوئی تصرف نہ کرے۔ اس سلسلے میں مزید تفاصیل فقہ اسلامی کی کتابوں BOOKS OF ISLAMIC LAW میں دیکھی جا سکتی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا شخص جسے مال ورثہ میں ملے، فضول خرچی، عیاشی کرنے اور اسے عقل و شریعت کے مقتضا کے برعکس صرف کرنے لگے، تو سرپرست یا سماج و بااختیار ادارے خواہ سرکاری یا غیر سرکاری جسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو، اس کا حق تصرف اس وقت تک معطل کر دے، جب تک کہ انہیں اس بات کا یقین یا ضمانت میسر نہ ہو کہ آئندہ کے لیے اپنے

مال کو شریعت وعقل کے مطابق ہی خرچ کرنے گا اور یہ قانون انہیں کے لیے ہے جو اخلاق کی بات نہیں سمجھتے ہیں اور جو اخلاق سے سمجھتے ہیں انہیں اخلاق سے اور دوسروں کو قانونِ جبر کے قاہرانہ طریقے سے عیاشی سے باز رکھا جائے اور اسلام کا یہ بہترین قانون ہے۔ جب سے اس سے حکمرانوں نے صرفِ نظر کی تب سے معاشرہ برباد ہوتا چلا گیا ہے

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں!
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ

حکومت کے اعلیٰ افسران و عہدیداران کے لیے فاروقِ اعظم کی ہدایات

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ عیاشی کی دوڑ میں حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اور اعلیٰ افسران بھی برابر کے شریک ہیں جس کی وجہ سے نچلے ملازم بھی مبتلائے رشک ہو کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا معیارِ زندگی اعلیٰ افسران کے مطابق بنانے میں مصروفِ عمل ہیں، لہٰذا اسلام کا اقتصادی نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ سب سے پہلے سربراہ مملکت سادگی اختیار کرے۔ عیاشی کی نئی سے نئی روایت قائم کرنے کی بجائے سابقہ روایات کو ہی ختم کر کے بے تکلف زندگی کا آغاز کرے اور سیرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو مدِ نظر رکھیں۔ سادگی کے باوجود جن کے تقویٰ وللہیت کی ہیبت سے لوگوں کے دل کانپتے تھے

تیری نگاہ سے دل کانپتے تھے سینوں میں
کھو گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

اور قومی خزانے سے ضرورت سے زیادہ وظیفہ نہ لے اس سلسلے میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت کی اقتدا کرے۔

گاندھی کی اپنے وزیروں کو ایک اہم نصیحت

اس سلسلے میں آگے نہیں تو کم از کم گاندھی سے ہی سبق

تو نہ رہیں جو غیر مسلم ہونے کے باوجود سیدنا ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا سیرت کا اس قدر دلدادہ تھا کہ ۱۹۲۵ء میں اس نے کانگریسی وزیروں کے نام ایک ہدایہ نامہ جاری کیا کہ "میں اپنے وزراء کو ہدایت و نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ابوبکر و عمر کے طریقہ پر چلیں۔"

(دستور الاسلام صفحہ ۲۰۹)

معلوم ہوا کہ گاندھی جیسے متعصب اور کٹر ہندو کی نظر میں ابوبکر و عمر کی حکمرانی اور عمل عمرانی کا ایسا پاک اور ستھرا دستور اور قانون صفحۂ ہستی پر ابھی موجود ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کا دستور اور قانون اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور یہ وہی قانون و دستور ہے جو خلفائے راشدین نے کتاب الٰہی اور سنتِ مصطفوی سے سمجھا۔ گاندھی نے اپنے ہدایت نامہ میں ابوبکر و عمر کے طریقے پر چلنے کی ہدایت کی اور امریکہ و برطانیہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطابق خلفاء راشدین کا دورِ انسانیت کے ارتقاء و عروج کا بہترین دور تھا جبکہ امریکہ و برطانیہ اور روس کی حکومتوں کا دور انسانیت کے انحطاط و زوال کا دور ہے ۔

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت

معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے تین قیمتی اُصول

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے

ملکی معیشت کو ترقی دینے کے لیے سب سے پہلے اپنے آپ پر سادگی کا قانون نافذ کیا اور اس قانون کے نفاذ کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا، چنانچہ امام ابویوسف علیہ الرحمۃ م ۱۸۲ھ اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، نے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنی پوزیشن عوام پر واضح کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ لَا أَجِدُ	لوگو! میرے نزدیک ہماری معاشی و
هٰذَا الْمَالَ يُصْلِحُهُ إِلَّا خِلَالٌ	مالی حالت اس وقت تک نہیں سنور سکتی،

ثَلَاثٌ اَن یُّؤْخَذَ بِالحقِ وَیعطیٰ فِی الحقِ وَ یُمْنَعَ مِنَ الْبَاطِلِ۔
(ص۱۱۷)

جب تک کہ ہم تین باتوں کا خیال نہ کریں حق سے لینا، جائز کاموں میں خرچ کرنا اور ناجائز کاموں میں نہ کرنا۔

سیرتِ فاروقی کی یہ ہدایت ملکی معیشت کو سنوارنے کے لیے ایک عظیم ضابطہ اور بہترین راہنمائی ہے کہ مال اور دولت جائز اور حق پر مبنی طریقوں سے حاصل کی جائے خیر اور نیک کاموں میں خرچ کی جائے اور عقل و شریعت کے مقتضا کے خلاف کسی بات میں اسے خرچ کرنے سے قطعی گریز کی جائے۔ پھر آپ نے اپنے اس وظیفے کی مقدار کا اعلان فرمایا جو آپ نے سرکاری خزانے (بیت المال) سے لینا منظور فرمایا جسے امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں نقل فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرے لیے تمہارا بیت المال

اِنَّمَا اَنَا وَمَا لَکُمْ کَوَلِیِّ الْیَتِیْمِ اِنِ اسْتَغْنَیْتُ اِسْتَعْفَفْتُ وَاِنِ فْتَقَرْتُ اَکَلْتُ بِالْمَعْرُوْفِ
(کتاب الخراج ص۱۱۷)

ایسے ہے جیسے یتیم کے سرپرست کے لیے یتیم کا مال، اگر مجھے ضرورت نہ پڑی، تو میں اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت ہوئی تو حاجت کی حد تک لوں گا۔

عزت اسلام سے ہے

امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شام میں داخل ہوئے یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ کا لباس بالکل سادہ تھا۔ آپ کے رفقاء نے عرض کی کہ آپ اسلامی سلطنت کے سربراہ ہیں اور آپ کے لباس اور وضع قطع میں انتہائی سادگی ہے۔ بہتر تھا کہ آپ اس کی نسبت کچھ بہتر لباس زیب تن فرماتے، جب شام میں داخل ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کسی کی ملامت کا کوئی اندیشہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے سادگی کی تعلیم پائی ہے:

اِنَّا قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ

کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اسلام پر عمل کرنے سے

فَلَنْ نَطْلُبَ العِزَّ فِی غَیْرِہٖ۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۴۷)

عزت بخشی ہے ہم غیر اسلامی کم رواج کے ذریعے سے عزت کے طلبگار ہرگز نہیں ہوں گے۔

جب کسی قوم کے سربراہِ مملکت میں اس قدر ملک وملت سے ہمدردی کے جذبات موجزن ہوں تو اس قوم کی معاشی حالت کیونکر نہیں سدھر نہیں سکتی۔

حکومت کے اعلیٰ عہدہ کی چار شرطیں

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسی کو کوئی عہدہ سپرد فرماتے اور گورنری وغیرہ کے منصب پر فائز کرتے تو ان سے چار چیزوں کا عہد لیتے اور اس عہد وپیمان پر مہاجرین وانصار کے اکابر صحابہ کو گواہ بناتے اور فرماتے:

اَنْ لَّا یَرْکَبُ بِرْذَوْنًا وَلَا یَلْبَسُ ثَوْبًا رَقِیْقًا وَلَا یَاکُلُ نَقِیًّا وَلَا یُغْلِقُ بَابًا دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ وَلَا یَتَّخِذُ حَاجِبًا۔ (کتاب الخراج ص ۱۱۶، تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲۱)

ترکی گھوڑے کی سواری نہ کرنا، باریک (شاہانہ) لباس نہ پہننا، میدہ کی روٹی نہ کھانا، دروازے پہرہ دار کھڑا کرکے ضرورتمند لوگوں کو اپنے تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ کرنا۔

یہ ہدایت کسی شو بازی یا ریاکاری پر مبنی نہ ہوتی تھیں، بلکہ انہیں عملی جامہ پہناتے اور صورتِ حال پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت محمد بن مسلمہ کی تقرری خصوصی طور پر عمل میں لائی گئی تھی، وہ دورے کرتے رہتے اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو جا کر دیکھتے تھے کہ وہ ان شرائط پر باقاعدگی سے عمل کر رہے ہیں یا غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ مصر کے گورنر عیاض بن غنم کے بارے میں آپ کو مصدقہ اطلاع ملی کہ وہ ان شرائط پر عمل کرنے میں سستی کر رہے ہیں، تو آپ نے اسے بلا کر ڈانٹا اور انہیں گورنری کے عہدہ سے

معزول کردیا اور فرمایا تمہیں وہ زمانہ بھول گیا جب تمہارا باپ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آج تم گورنری کے غرور میں اپنی اصلیت کو بھول گئے، یہ لاٹھی پکڑو اور اپنے باپ کی طرح بکریاں چراؤ ۔

نظر نہیں تو میرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغ اصیل

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں مزید لکھتے ہیں کہ پانچویں شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ گورنر اپنی رعیت کے امیر و غریب کے ساتھ برابر سلوک کرے گا اور اسے بیماروں کی عیادت کے لیے بھی جانا ہوگا جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا کہ :

اِنَّ عَامِلَه لَا یَعُوْدُ الْمَرِیْضَ وَلَا یَدْخُلُ عَلَیْهِ الضَّعِیْفُ نَزَعَهٗ (ص ۱۱۷)	آپ کا فلاں گورنر بیماروں کی عیادت کے لیے نہیں جاتا اور کمزور و ضعیف بے بس لوگ اس تک نہیں پہنچ پاتے تو آپ اسے معزول کر دیتے۔

بہر حال اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور خلفاء راشدین مہدیین نے اسے وہ عروج بخشا کہ اس کی مثال چشم فلک نے نہ پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ بعد میں دیکھنے میں آئی ۔

اتمامِ حجت

تہذیبِ مغرب کے دلدادہ اور اسلامی تہذیب سے نابلد اپنی کوتاہ نظری پر رونے اور آنسو بہانے کی بجائے اسلام کو مطعون کرتے ہیں کہ اس کا اپنا کوئی معاشی و اقتصادی نظام نہیں ہے۔ ان سے گزارش ہے کہ وہ تہذیب مغرب کی بجائے اسلام کی تہذیب و تمدن کا مطالعہ کریں۔ عربی زبان سیکھیں، اسلام کی تہذیب و تمدن اور اس کے اقتصادی و معاشی نظام کی دولت لازوال اور عظیم سرمایہ عربی زبان میں ہے جسے بتدریج مختلف زبانوں میں ڈھالا جا رہا ہے۔ قرآن کریم، تفاسیر، احادیث نبویہ صحاح ستہ وغیرہ، ان کی شروح، کتب فقہ اور اسلامی آئین کے

مجموعہ ہائے عظمٰی، درمختار، شامی، فتح القدیر، عالمگیری وغیرہا اسلام کے پاس ایسے عظیم الشان ذخائر جواہر ہیں کہ ان کے مقابلے میں پوری دنیا کی تہذیب تہی دامن نظر آتی ہے، راقم نے ان بے بہا ذخائر سے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کے جواہر چن چن کر اس کتاب میں یک جا جمع کر دیے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ان لوگوں کی ذہنی اور قلبی اصلاح متوقع ہے جو عربی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر اسلام کے نظام معیشت کے مطالعہ سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے اور ان حضرات کے معلومات میں اضافہ کی امید بھی ہے جو عربی زبان سے واقف ہونے کے باوجود گوناگوں اور طرح طرح کی مصروفیات کی وجہ سے اسلام کے اقتصادی نظام کا کما حقہٗ مطالعہ کرنے کا موقع نہیں پا سکے۔ انشاءاللہ العزیز عام مطالعہ کے شائقین سے لے کر مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں اور اساتذہ تک کے لیے راقم کی یہ کوشش مفید ثابت ہوگی ؎

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم | حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ اُمّت | ترا با شاخیٔ رندانہ گفتم

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوق نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

والسلام ـــــ محتاجِ دعائے اہل اللہ

محمد ابو سعید غلام سرور، عرف محمد سرور قادری
(ایم۔ اے اسلامک لاء)
(استاذ الحدیث والادب العربی جامعہ نظامیہ رضویہ
خطیب پیکو جامع مسجد۔ بادامی باغ۔ لاہور۔

۱۳-۱-۷۸

ضمیمہ

کتاب مرتب ہو چکی تھی، تو استاذ العلماء قبلہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور و ممبر مشاورتی کونسل نے ہمیں مندرجہ ذیل سوالات (جو اسلامی مشاورتی کونسل نے مرتب کر کے علماء کرام کے پاس بھیجے) عنایت فرما کر ان کا جواب طلب کیا، تو ان کی صدارت میں مجلس منعقد کر کے ہم نے ان سوالات کے جوابات تیار کیے، وہی سوالات مع جوابات قارئین کرام کے فائدے کے لیے بطور ضمیمہ حاضر ہیں۔

سوال: کیا حکومت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ غیر سودی بنک کو اگر نقصان اٹھانا پڑا، تب بھی عندالطلب کھاتے دار کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا، چاہے حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے؟

الجواب: اس صورت میں حکومت کو ادا کرنا لازم نہیں ہوگا، اسے ضمان الخسران کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں، لہٰذا لازم بھی نہیں۔ چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

کرجلٍ قال لاٰخر بِعْ متاعك فِیْ ھٰذَا السوقِ علٰی اِنّ کُلَّ وَضِیْعَۃٍ وَخُسْرَانٍ یُصِیْبُکَ فَاَنَا ضَامِنٌ لَکَ فَاِنّہٗ غَیْرُ صَحِیْحٍ۔	جیسا کہ کوئی کسی سے کہے کہ تم اپنا سامان بازار میں فروخت کرو، میں نقصان کا ضامن ہوں، تو یہ صحیح نہیں ہے۔

(عنایہ شرح ہدایہ ج ۔ ص۱۱۲)

نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق

سوال (۱): زید علانیہ کہتا ہے کہ اس کے سامان کی نقد قیمت سو روپے ہے اور

ادھار ایک سو بیس روپے ہے۔

(۲) زید سامان قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور ایسے سامان کو جس کی نقد قیمت عام طور پر سو روپے ہے دس روپے ماہانہ کی بارہ قسطوں میں بیچتا ہے۔ قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں بھی قسطوں میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔

(۳) زید قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اگر کوئی فرد پوری رقم یکمشت ادا کرے، تو اسے بیس فیصد رعایت دی جا سکتی ہے۔

(۴) زید خود تاجر نہیں، لیکن کسی شخص سے جو مال کی یکمشت رقم نہیں ادا کرسکتا معاہدہ کرتا ہے کہ وہ سامان خرید کر دس فیصد سے زیادہ قیمت پر وصول کرے گا۔

الجواب : ۱ جائز ہے۔

۲ یہ بھی جائز ہے۔

۳ یہ بھی جائز ہے کہ ہدایہ میں ہے : ویجوز ان یحط عن الثمن (ج ۲ ص۵۸) کہ بائع کو جائز ہے کہ واجب الادا قیمت میں سے کچھ معاف کردے۔

۴ جائز ہے۔

قرض میں کٹوتی ، ہنڈی

ایک قرض خواہ اپنے قرضے کی رقم طے شدہ مدت گزرنے سے قبل وصول کرنا چاہتا ہے۔ مقروض یا اس کے وکیل کی یقین دہانی پر قرض خواہ کو یہ رقم کٹوتی کرکے وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے جیسے تین ماہ بعد ایک ہزار روپے کے بدلے حاضر میں نوسو پچاس روپے کی ادائیگی، اس طرح قرض چکانے کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس کا فیصلہ کرتے وقت مندرجہ ذیل نکات پیش نظر رہیں۔

آج کل یہ طریقہ ہنڈیوں BILLS OF EXCHANGE کی ادائیگی کے

سلسلے میں کیا جاتا ہے جس کی تکنیک مندرجہ ذیل ہے:

زید نے عمرو سے مال خریدا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا، اس کے لیے زید نے عمرو کو ایک دستاویز ہنڈی کی شکل میں پیش کردی۔ عمرو نے بنک الف میں یہ ہنڈی پیش کردی، تاکہ اس کی بنا پر بنک سے رقم قرض لے اور بنک الف عمرو کو وہ رقم ادا کرتا ہے لیکن پوری رقم نہیں، بلکہ اصل میں سے کچھ حصہ اپنے حق کے بطور وضع کر لیتا ہے، گویا عمرو کو وقت سے پہلے رقم وصول کرنے کے لیے کوتی منظور کرنا پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث پر نظر رکھیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الکالی بالکالی او الدین بالدین او کما قال علیہ السلام۔

الجواب: اس کے جواز کے خلاف کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا یہ جائز ہے اور یہ ہنڈی گویا زید نے عمرو سے مطلوبہ رقم کے عوض بشرطِ کفالت ادا کی۔ گویا زید کی دی ہوئی ہنڈی عمرو کے لیے وثیقہ اور ضمانت ہے کہ اس نے تین ماہ بعد اس پر رقم ادا کرنا ہے اور عمرو اس پر بنک سے کچھ حصہ کم کر کے مطلوبہ رقم وصول کرتا ہے اور جو کم کیا اسے اپنی رضا و رغبت سے کم کیا اور عرف میں اس صورت میں متروکہ رقم اس سے ساقط سمجھی جاتی ہے جس نے ہنڈی دی؛ لہٰذا جس پر راضی ہوا، وہ وصول کیا، باقی معاف کرتا ہے۔ تو یہ جائز ہے۔ چنانچہ حوالہ گذرا کہ صاحبِ دین جس قدر چاہے مدیون سے دین ساقط کر دے۔ فتح القدیر میں نقد کی بیع نقد کے ساتھ کی چار صورتیں لکھی ہیں جس کی ایک صورت جو جواز سے متعلق ہے بدایہ میں لکھی ہے: ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ وابی یوسف (ج ۲ ص۸۳) کہ ایک معین پیسے کی بیع دو معین پیسوں سے جائز ہے کہ خلقت کے اعتبار سے تو ثمن ہیں نہیں۔ بلکہ عارضی طور پر ثمن ہیں خلقت کی رو سے عروض ہیں، لہٰذا عاقدین جب چاہیں، ان کی عارضی ثمنیت کی نفی کر کے تفاضل سے مدت

بدست بیع کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک طرف سے بانڈ اور دوسری طرف سے نوٹ ہوں، تو دست بدست تفاضل سے ان کی بیع جائز ہے۔ یعنی دس روپے الا بانڈ مالک پانچ روپے میں اور چاہے تو سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے اور بیع الکالی بالکالی کا معنی یہ ہے کہ دست بدست نہ ہوں۔ بلکہ ادھار سے ہوں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

بخلاف اذا کانا بغیر اعیانهما لانه کالی بالکالی ونهی عنه (ج ۲ ص ۵۳)

اور امام حاکم مستدرک شریف میں فرماتے ہیں:

الکالی بالکالی هو النسیئة بالنسیئة۔ (ج ۲ ص ۵۷) کہ الکالی بالکالی کا مطلب ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ہنڈی کی صورت میں بھی گویا ہنڈی خریدی اور بیچی گئی جیسے بانڈ خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ تو اس میں کمی بیشی بہ رضائے عاقدین جائز ہے بیع الجنس بخلاف الجنس یا حط عن الثمن کے طور پر اور یہ دونوں جائز ہیں

قوت خرید میں کمی بیشی اور حکومت کا فرض

افراط زر کی وجہ سے گرانی واقع ہوئی ہے۔ یہ افراط زر بعض قومی مفاد کے حق میں پالیسی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات بیرونی اثرات کی وجہ سے اور بعض اوقات غلط پالیسی کی وجہ سے افراطِ زر میں لوگوں کی قوتِ خرید گھٹ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کیا کسی صورت میں حکومت کے لیے یہ شرعی فرض ہے کہ وہ قوتِ خرید میں کمی واقع ہونے پر لوگوں کے نقصان کی تلافی کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے آج سو روپے دیے جس سے چار من غلہ خریدا جا سکتا ہے۔ اگر تین سال بعد زید اپنی رقم واپس طلب کرے اور اس وقت چار من غلہ کی قیمت ایک سو بیس روپے ہو تو اس کو بجائے ایک سو روپے کے ایک سو بیس روپے دیئے جائیں، لیکن اگر یہ قیمت اسی روپے رہ جائے تو

اس کو اُتنی (ڈ) رُوپے دیے جاتیں۔

الجواب : اس طرح سے جائز نہیں، ہاں حکومت اس رقم کے بانڈ دیدے، پھر بانڈ کا معاوضہ بانڈ والے صاحب کی مرضی سے کمی بیشی سے دے سکتی ہے کہ بانڈ اور نوٹ دو مختلف جنسیں ہیں اور جنس بدل جائے، تو دست بدست کمی بیشی سے لین دین جائز ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور جیسا کہ امام اہل سنت اس صدی کے مجدد امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب کفل الفقیہ شریف میں ارقام فرمایا۔

قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی

ہمارے کاروباری اور صنعت کار افراد بھی قرضے لیتے ہیں جن کا کام غیر ملکی مشینیں وغیرہ کی درآمد ہوتا ہے۔ یہ قرضے ان حضرات کو پاکستانی سکے کی شکل میں دیے جاتے ہیں اور اسی شکل میں ان کی ادائیگی کی جاتی ہے، لیکن قرض کی اصل مقدار کا معیار پاکستانی سکہ نہیں، بلکہ غیر ملکی سکہ (ڈالر) ہوتا ہے جس سے پاکستان منسلک ہے۔ اس معیار پر فریقین پہلے سے متفق ہوتے ہیں، لیکن اس طرح واجب الادا مقدار غیر یقینی ہو جاتی ہے کیونکہ سکے کی اضافی قیمت غیر یقینی ہے۔ مثال کے طور پر زید نے پانچ سال قبل دس لاکھ روپے قرض لے کر سامان منگوایا تھا جس کی قیمت اس وقت دو لاکھ ڈالر تھی کیونکہ ایک ڈالر پانچ روپے کے مساوی تھا، لیکن بعد میں پاکستانی سکے کی قیمت گرا دی گئی جس سے دو لاکھ ڈالر کی قیمت بیس لاکھ روپے ہو گئی۔ اس طرح دس لاکھ روپے کا مقروض

خود بخود بیس لاکھ روپے کا مقروض بن گیا۔ اسی طرح آگے چل کر اگر ایک ڈالر تین روپے کے مساوی ہو جائے۔ اس صورت میں دس لاکھ روپے کا مقروض صرف چھ لاکھ کا رہ جاتا ہے۔ شرح میں تبدیلی اور اس کے لحاظ سے واجب الادا قرض کا فریقین کو پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ البتہ دونوں اس نوعیت کے سودے پر متفق ہوتے ہیں جو بظاہر غلط ہے لیکن

جس کے بغیر پاکستان جیسے ملکوں کو گزارا کرنا انتہائی دشوار ہے اس معاملہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

الجواب: اس صورتِ حال سے نمٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ پاکستانی سکے کی قیمت ڈالر کے مقابلے میں گر جائے، تو تاجروں کو حکومت کا ضمان الخسران دینا صحیح نہیں کہ پہلے گزر چکا ہے لایصح ضمان الخسران کہ ضمانِ خسران صحیح اور لازم نہیں، ہاں اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ حکومت سونے اور چاندی کا سکہ رائج کرے، تو اس میں آئے دن کی مصیبت سے کہ پاکستانی سکہ ڈالر کے مقابلے میں گر جاتا ہے اور حکومت و عوام کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ خلاصی ہو جائے گی اور جیسا کہ پہلے سکے ہوا کرتے تھے۔ اس طرح غیر ملکی ڈالر کا تسلط ختم ہو جائے گا اور آئے دن کی پریشانی سے بھی نجات حاصل ہو گی۔

قرضوں کی جدید نوعیت

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ بنک لمبے عرصے کے لیے پیداواری قرضوں پر مقررہ شرح سے سود لینے کی بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کیا کریں۔ اس کی فرضی مثال یہ ہو گی کہ بنک الف کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کے لیے قرض دینے کو دستیاب ہے۔ بنک مدت اور رقم کے لحاظ سے اس رقم کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیتا ہے، جیسے:-

پچاس لاکھ روپیہ تین سال کے لیے۔

پچاس لاکھ روپیہ سات سال کے لیے۔

ایک کروڑ روپیہ پانچ سال کے لیے۔

پچیس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزاء دس دس سال کے لیے۔

دو کروڑ روپیہ چار سال کے لیے، وغیرہ وغیرہ۔

بنک ٹنڈر طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ رقم پر مقررہ مدت گزرنے کے بعد سرمایہ

اور سرمائے کا زیادہ سے زیادہ فیصد نفع دینے کی پیش کش کرے گا، تو اسے یہ رقم دے دی جائے گی۔ اس قسم کے معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے۔؟

الجواب: فیصد سے مراد نفع کی شرح کی تعیین و شرط ہے، تو یہ خالص سود اور حرام ہے۔ کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربا (الحدیث) جس قرض میں نفع مشروط ہو وہ ربا و سود ہے۔ ہاں اگر نفع و نقصان میں شرکت مراد ہے کہ عقد مضاربت ہو، یعنی ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت لیکن اگر ٹنڈر طلب کرنے کا مقصد یہ ہو کہ نفع کا تناسب رب المال کے حق میں زیادہ سے زیادہ طے پائے، مثلاً عام طور پر نفع اگر ½ ہے تو ٹنڈر میں کوئی ⅔ یا ¾ وقس علی ھذا دینے کی پیش کش کرے، تو اسے سرمایہ دیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ خالص عقد مضاربت ہوگا۔

قرضہ میں شرط

بنک قرض مانگنے والے کو دس ہزار روپے کی بجائے بارہ ہزار روپے کا قرض منظور کرے جس میں دس ہزار روپے مقروض اپنے کام میں لائے اور باقی دو ہزار اپنے نام سے امانتاً جمع کرا دے۔ ایک سال بعد مقروض بارہ ہزار روپے واپس کرے جبکہ دو ہزار روپے جو اس کی طرف سے امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں، وہ پانچ سال بعد نکلوا لے۔

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں قرض سالم شرط نہیں ہے، خواہ شرط جائز ہی ہو تو شرط فاسد کا سالم بھی بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔ البتہ قرض نافذ ہوگا اور شرط باطل۔ درمختار میں ہے:

القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا یبطل ولکنه یلغو شرط (درمختار آخر ص۲۵۴) لہذا صورت مسئولہ میں قرض کا اجراء صحیح مگر بارہ ہزار پر قبضہ کرنے کے بعد دو ہزار کو واپس امانت کے طور پر جمع کرنا مستقرض کیلئے لازم نہیں ہاں اگر جمع کرائے تو اسکی خوشی پر ہے۔

مسئلۂ انشورنس (بیمہ)

"بعض احباب کی خواہش پر انشورنس (بیمہ کا مسئلہ بھی آخر میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ سوال امام اہل سنت مجدد اعظم مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا تھا۔ ہم نے وہی سوال اور حضرت مجدد اعظم کا جواب نقل کر دیا ہے۔ یہ اس زمانہ کی بیمہ پالیسی سے متعلق ہے۔ اگر آج کی بیمہ پالیسی میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہو تو جواب بھی اس کے مطابق ہوگا۔"

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ زندگی کا بیمہ کرنا شرعاً جائز ہے یا حرام، صورت اس کی یہ ہے جو شخص زندگی کا بیمہ کرانا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پاتا ہے کہ ۵۵ سال یا ۶۰ سال یا ۵۰ سال کی عمر تک مبلغ دو ہزار روپیہ چار یا چھ روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ میں سے وضع ہوتے رہیں گے۔ اگر وہ شخص ۵۵ سال تک زندہ رہا تو خود اس کو اور اگر میعاد مقررہ کے اندر مر گیا۔ تو اس کے ورثاء کو دو ہزار روپیہ یکمشت ملے گا، خواہ وہ بیمہ کرانے کے بعد اور اس کی منظوری آنے کے بعد فوراً ہی مر جائے اور اگر میعاد مقررہ تک زندہ رہا، تو بھی وہی دو ہزار ملے گا۔ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے ہو رہا ہے، کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے تعلق نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں، تو جائز ہے کوئی حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمہ کسی خلافِ شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(احکامِ شریعت، حصہ دوم ص ۱۸۱)

نوٹ

آخر میں ہم فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں، مصنفہ پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے اقتباسات قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی علمی وسعت اور نورِ فراست کا اندازہ فرمائیں اور استفادہ کریں۔

محمد ابو سعید قادری

تمہید

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ موجودہ صدی کی وہ عبقری شخصیت ہیں جن کا مکمل تعارف وہی کرا سکتا ہے جو اُن جیسا جامع العلوم ہو۔ کسی فن کا ماہر جب انہیں اس فن میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ موجودہ یعنی چودھویں صدی کا رُبع اوّل وہ بلاخیز دور تھا کہ بڑے بڑے علماء اور لیڈر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے تدبیر فلاح و نجات و اصلاح کے نام سے امت مسلمہ کی معاشی بہبود کی خاطر چار تجاویز پیش کی تھیں جو آج بھی اپنے اندر وزن رکھتی ہیں اور احمد رضا خاں بریلوی کی ژرف نگاہی کی شاہد ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا معاشی نظریہ ایک سچے مسلمان کی طرح وہی تھا جسے نظام مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ارشادات الٰہیہ ہماری راہنمائی کرتے ہیں کہ چوپایوں کی طرح ہمارا مقصد زندگی محض کھانا پینا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی اطاعت ہے۔ عقائد ہوں یا اعمال، معاشیات ہوں یا سیاسیات، سراعتبار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ناگزیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تعلیمات کا حاصل ہی یہ تھا کہ دامن مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ ہو کر طاعتِ الٰہی اختیار کر لو، فکر معاش سے آزاد ہو جاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَہُمْ مَّعِیْشَتَہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (الزخرف رکوع ۳) ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُہَا (ھود رکوع ۱) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ (کنز الایمان)

موجودہ صدی کے آغاز میں یہ مسئلہ موضوعِ بحث بنا رہا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؛ علماء کے ایک گروہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس بنا پر (۱) مسلمانوں کے لیے ہندوستان سے ہجرت لازم قرار دی (۲) ہندوستان میں کفار سے سودی کاروبار جائز قرار دیا۔

تحریک ہجرت بڑے زور شور سے چلی، ہزاروں افراد اپنی جائدادیں برائے نام قیمت پر فروخت کر کے افغانستان چلے گئے، وہاں اتنی گنجائش کہاں تھی. واپس آئے، تو پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

سود ایک ایسی لعنت ہے جو افلاس اور بدحالی کی راہ دکھاتا ہے، سود احترام انسانیت ختم کر دیتا ہے اور جب سود در سود کا چکر چلتا ہے تو آدمی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے مسلمان پہلے ہی ہندؤوں کے سودی شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اس فتوے نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اگر اس فتوے کو پیشِ نظر رکھا جاتا، تو ہجرت کے سبب پیش آنے والی معاشی تباہی نہ آتی اور نہ ہی قوم سود کے چکر میں مبتلا ہو کر معاشی ابتری کا شکار ہوتی۔

محسن ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم میں ایسی تدبیریں بیان فرمائی ہیں جن سے سودی کاروبار کیے بغیر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

گداگری ایسی آفت ہے جو قومی جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے یہ ذلت کی انحطاط کی انتہا ہے بلکہ پوری قوم کے لیے ایک عظیم المیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال میں مانگنے کی بھرپور مذمت بیان فرمائی نیز مزدوری اور کسب معاش کے دیگر ذرائع کی اہمیت بیان فرمائی جس سے انفرادی و اجتماعی خوشحالی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

فاضل بریلوی کے معاشی نکات

جدید معاشیات کے آئینہ میں

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے چار نکات مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بدحالی کو دور کرنے کے لیے اپنے رسالے "تدبیر فلاح و نجات واصلاح" میں میں تحریر فرمائے اور جو ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۱ھ کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان نکات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

۲۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں، لیکن ان میں معانی کا جو ذخیرہ پوشیدہ ہے، وہ اہل فہم حضرات پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ وہ چار نکات اس مومن کامل کی فراست کاملہ کی عکاسی کرتے ہیں جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

تقدیرِ امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

یہ بلاشبہ ایک مردِ مومن کے اشارے ہیں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر تھی۔ ان اشاروں میں جہانِ معنی پوشیدہ ہے۔ اس سے پہلے کہ ان نکات پر بحث کروں، بطورِ تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۱۲ء میں جبکہ یہ نکات شائع ہوئے، برِ صغیر میں علمِ اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا۔ معاشیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ لیکن عوام کی توجہ اور دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ۳۰-۱۹۲۹ء کی عظیم عالمی سرد بازاری کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کرلیں کہ جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہی ہوئی اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہ مردِ مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں دکھا دی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نکات پر غور و فکر کیا جاتا اور صاحبِ حیثیت مسلمانانِ ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے مستحکم ہوتی۔

آئیے اب ان نکات پر الگ الگ بحث کی جائے جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا بریلوی کے ان نکات کی تعداد چار ہے جس میں سے تین کا تعلق میرے نزدیک جدید اقتصادیات کی روح سے ہے اور چوتھا علمِ دین کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔

۱- پہلا نکتہ

"ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، پس انداز ہو سکیں۔"

اس نقطے میں اہم بات "پس اندازی" ہے۔ فضول خرچی کی مذمت ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل ہی کر دی تھی۔ جدید ماہرین اقتصادیات فضول خرچی کی بے حد مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر پیداواری کاموں پر کیے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر برصغیر کے بیسویں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے تک کی اقتصادی زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔ تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازیوں پر کروڑوں روپے ضائع کیے۔ یو۔پی میں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں ۱۴ فیصد تھی۔ لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وہ ایک باعزت اور پُروقار زندگی گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔ یو۔پی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کمی نہ تھی۔ زمیندار اس صوبے میں وہ افراد ہوتے تھے جو کم از کم ایک گاؤں کے مالک ہوتے تھے، لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے۔ میرے ایک قریبی عزیز جو زمیندار تھے بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زلف سے مقدمہ بازی کے سلسلہ میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ ولبھ بھائی پٹیل نے یو۔پی کے مسلمانوں کی معیشت پر زمینداری کا خاتمہ کر کے بھرپور وار کیا اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

فاضل بریلوی کے پہلے نکتے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ

مقدمہ بازی پر کیے جانے والے اخراجات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی نذر ہو رہا تھا کاش کہ اگر بچایا جا سکتا، تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اخراجات قطعاً غیر ضروری بلکہ ناجائز تھے۔ اگر مصلحت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا، تو اکثر و بیشتر مقدمات کی ضرورت باقی ہی نہ رہتی۔ اور معاملات باہمی صلاح و مشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ١٩١٢ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی، کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی دُور کرنے کا یہی بہترین علاج ہے کہ وہ غیر ضروری اور ناجائز اخراجات یکسر ختم کر دیں اور اس طرح جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ ١٩٣٦ء میں کینز نے اپنا نظریہ روزگار و آمدنی پیش کر کے جدید اقتصادیات کی بنیاد مضبوط کی۔

موجودہ دور اقتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے لیے منصوبے بناتے ہیں۔ ان منصوبوں کی میعاد عموماً ۵ سال ہوتی ہے۔

جہاں اقتصادی منصوبہ بندی میں دیگر اور باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے، وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جا سکتی ہے۔ منصوبوں کے لیے رقم دو ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔

(١) ملکی بچت اور (٢) قرضے۔

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو ملکی ذرائع ہی سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے، لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غیر ملکی قرضوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ منصوبہ بندی کی تکمیل کے لیے ایک تیسرا طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ب

ضرورت ملک کا مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے کرتا رہے، لیکن یہ طریقہ ارزاں ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے۔ اس سے ملک میں افراطِ زر آجاتا ہے اور اگر افراطِ زر پر حکومت جلد قابو نہ پا سکے، تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے

ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۱۵ فیصد سے ۲۰ فیصد ہے۔ یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فیصد حصہ سرمایہ کاری کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ جبکہ اقتصادی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم از کم ۱۵ فیصد سرمایہ کاری کے لیے وقف کر دیا جائے۔

اگر بچتیں زیادہ ہیں، تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی۔ لیکن بچتیں اگر کم ہیں، تو اقتصادی ترقی کی رفتار بے حد سست ہوگی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کولن کلارک نے بھارت، جیبن اور پاکستان کے لیے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں کے افراد کم از کم قومی آمدنی کا ۱۲ فیصد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہٰذا آج کل ہر ملک میں خواہ وہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، بچت میں اضافے کے لیے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں ہماری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں۔ جن سے چھوٹی چھوٹی بچتوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لیے ہمیں رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ملکی بچت کے ذریعہ ہے۔

اب اہلِ دل اور اہلِ نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں

مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں، جبکہ حکومتیں اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے۔ مولانا کی دُور اندیشی کے۔ کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دُور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں۔

دوسرا نکتہ:

۲۔ اب آیئے دوسرے نکتے کی طرف مولانا نے فرمایا:

"بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔"

یہ نکتہ معاشی نقطۂ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خان کی اقتصادی سُوجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برِصغیر میں ۱۹۴۰ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء میں بینک اور بینکوں کی اہمیت کا اندازہ لگا لینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ لیکن مولانا کی نگاہ دوراس معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انہوں نے مالدار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔

سود کی بے پناہ مذمت رسانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خاں نے اپنی کئی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا یہ امر بالکل واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی مراد ایسا بینک کاری نظام تھا جو غیر سودی بنیادوں پر استوار ہو۔ ایسا بینکنگ نظام نظامِ ملکی معیشت کو تازہ و صحت مند خون فراہم کرسکتا ہے۔ بینک وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔ آج ہمارا معاشی نظام اس قسم کے

بینکنگ کے بغیر عضو معطل ہو کر رہ جائے گا۔ تو گویا ایسے بنکوں کی اہمیت موجودہ معاشرہ میں مسلّم ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی دو قسمیں بتائی ہیں :

(۱) بچت اور (۲) زر کی ذخیرہ اندوزی

اگر ایک فرد کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپے ہے جس میں وہ اسّی روپے اپنی ضروریاتِ زندگی پر خرچ کرتا ہے، تو اس کی ماہانہ بچت بیس روپے ہوگی۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے، تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بنکوں میں جمع کرا سکتے ہیں یا بچت کی کسی اسکیم میں لگا سکتے ہیں۔ یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے۔ لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے ہی پاس رکھیں، تو یہ صورت (Hoarding) کہلائے گی۔ بچت کا تصور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے اس لیے مختلف ہے کہ موخرالذکر تصور خالص نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولتِ زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے۔

جب تک لوگ اپنی بچت غیر سودی کاروباری بنکوں میں جمع کرائیں گے یا کسی بچت کی اسلامی کاروباری اسکیم میں لگائیں گے۔ اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا، لیکن جس وقت لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی، تو معیشت عدم توازن کا شکار ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں یا تو افراطِ زر پیدا ہو جائے گا یا کساد بازاری پھیل جائے گی اور ہزاروں افراد و ملکی وسائل بے روزگار و بے اثر ہو جائیں گے جس سے معاشرہ میں بے شمار سماجی برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔

۱۹۱۲ء میں جبکہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کی کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف پس اندازی

کی ہدایت کی، بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مرد مومن کا کمال ہے۔ اس مردِ مومن نے تونگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بنک قائم کرو تاکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہی بات ۱۹۴۰ء میں قائد اعظم نے دوہرائی۔ اگر ۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دو چار سرمایہ دار فاضل بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے اور اسلامی اصولوں پر مبنی کاروبار کرنے کے لیے غیر سودی کاروباری بنک قائم کر دیتے، تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بلکہ مسلمانانِ عالم کے لیے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے۔

تیسرا نکتہ :-

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کے تیسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا :

(۳) "مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔"

ذرا اس نکتہ پر غور فرمایئے۔ موجودہ عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیجئے اور پھر یہ دیکھیئے کہ مسلمانوں نے اس عالمِ دین کے اس زریں اصول کو نہ تو سمجھا اور

نہ ہی اس پر عمل کیا۔ لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کے جنگ سے متاثر ہونے والے ممالک نے اس پر پورا پورا عمل کیا

اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔

ملکھنو ہیں میں نے اپنے بچپن میں جب کہ دوسری جنگ عظیم زور شور سے جاری تھی اکثر مسلمانوں کی دوکانوں پر یہ شعر چپاں دیکھا تھا ؎

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر
تو یہ لازم ہے کہ سودا جب بھی لے مسلم سے لے

یہ غالباً فاضل بریلوی کے اس نکتے کی صدائے بازگشت تھی۔ اس شعر نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دوکانوں سے خرید و فروخت کرتے دیکھا۔ مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود تھے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی مفکرین کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم، اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے موتی ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔ وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہے لیکن مغربی خزانوں کی طرف حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا کے اس نکتہ پر غور نہیں کیا۔ اور نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ اگر اس وقت کوئی بھی مسلم ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دوررس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان صرف مسلمانوں ہی سے خرید و فروخت کرنے لگتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں پست ہوتے۔

معاشیات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی ہے اور جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہونی چاہیئے یا اس پر پابندیاں

ضروری ہیں اور اس پابندی کو تامین کہتے ہیں۔

آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشیاء کی آمد و رفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ اس کے برخلاف تامین وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے لیے دیتی ہے)

سب سے پرزور دلیل جو تامین کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی نوزائیدہ صنعتیں بیرونی مقابلے سے اس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ وہ مضبوط بیرونی صنعتوں کا اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تامین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبۂ حب الوطنی کے فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔ جو تامین کے حق میں دیئے گئے ہیں مگر میں صرف مندرجہ بالا دو دلائل کے متعلق مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نکتے کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت ہندوستان میں مستحکم ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ صرف ۳۵ سال بعد فرنگی اس سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی۔ جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ انہوں نے کیا گم کر دیا ہے۔ حکومت ختم ہو چکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔ اس قوم کی سماجی، مذہبی اور معاشی بقا کے لیے مضبوط بنیادوں پر اہل نظر اور اہل علم مسلمانوں کو پالیسیاں وضع کرنی تھیں۔ تعلیمی، سیاسی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم عمل تھے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد تیز تر ہوتی جا رہی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور اس سے نمٹنے کے لیے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔ اس موقعہ پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے معاشی نکات پیش کیے۔ جن پر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے کوئی غور و فکر نہیں کیا۔ تعلیم یافتہ مسلمان اپنی راہبری کے لیے مغربی علماء کا سہارا لے رہے تھے۔ اور اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے درمیان ایک ایسے باوصف انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کی اپنی عزبت و افلاس سے چھٹکارا حاصل کر کے با عزت زندگی بسر کرنے لگتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا نکتہ میرے نزدیک معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔ روزگار اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے۔ بنیوں کی ذہنیت اور فطرت ہی یہ تھی کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ کمایا جائے۔ مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اوّل تو ہندو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے بھگا دیتے تھے اور دوسرے اپنوں کی بے اعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی۔ فاضل بریلوی پر یہ باتیں روز روشن

کی طرح عیاں تھیں۔ اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم، تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید و فروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں۔ یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکانداروں کے لیے مسلمان بھائیوں سے تامین کی اپیل کی۔ مسلمان دوکانداروں کی مثال بالکل اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقا اسی صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سرپرستی کریں۔ یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ نہیں دینا تھا بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانانِ ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا ہوتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکانداروں کے پاس جاتا اپنے طور پر یہ مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے۔ مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کاروں سے زائد اشیاء خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کار زیادہ اشیاء پیدا کرتے کیونکہ ان کی اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا۔ اشیاء کو پیدا کرنے کے لیے وسائل پیدائش کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین، محنت اور سرمایے کی۔ مسلمان صنعت کار جب اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تلاشِ روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی موثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لاتے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خاں کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت

کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بلا سود کاروبار پر مبنی بینک قائم کریں۔ بینک جن کا اولیں مقصد پیداواری کاموں کے لیے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے)

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دُنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ خصوصاً جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی "بندر بانٹ" ہوئی۔ ایک حصہ روسیوں کے پاس اور دوسرا اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔ جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔ جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ یہی حالت فرانس اور اٹلی کی تھی۔ لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ وہاں کے دانشمندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اوّل نمبر پر ہے۔ جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تنہا اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا روم میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یورپین مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں آیا جو چھ مغربی یورپی ممالک پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو نظریہ کارفرما تھا وہ بعینہٖ وہی تھا جس کی ہدایت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تیسرے نکتے میں فرمائی تھی۔ یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ معاہدہ روم جس کے تحت اس

منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ان شرائط و ضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے جن کی پیدائش پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے۔ منڈی کے اراکین ممالک خود کو ایک وحدت خیال کریں گے۔ آپس میں تجارت آزادانہ ہوگی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ وسائل پیدائش کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی۔ درآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعایتوں کی مستحق ہوں گی۔ جو اشیاء منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں باہر سے نہیں منگوایا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ خرید و فروخت آپس ہی میں ہوگی۔

منڈی کے قیام کے وقت غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔ منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط خطوط پر قائم ہوئی۔ مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہوگئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بن گیا)

(پاکستان، ایران اور ترکی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آر۔ سی ڈی کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ بھی انہیں خطوط پر تھا۔ لیکن اس ادارے کو وہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ جس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ آر۔ سی۔ ڈی کو کامیاب بنانے کے لیے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس ۲۶ اپریل ۱۹۷۶ء کو ازمیر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی۔ لیکن ابھی تک کوئی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدق دل اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لیے کوشش کریں۔ تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہر حال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صدقِ دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقینی کامیابی ملتی جو یورپین منشر۔ کرمنڈی کے حصے میں آئی۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لیے چراغ جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا تعین کرنا تھا لیکن افسوس راستے کا تعین تو درکنار ہم نے اس شمع ہدایت کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اسے ہم صرف اپنی بدنصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبرانِ ملت ایسے اُلجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً حیرت انگیز اور قابلِ افسوس امر ہے جب کہ ان کی ہدایت کے لیے اتنے واضح نکات مولانا احمد رضا خاں نے ۱۹۱۲ء میں وضع فرما دیے تھے۔

چوتھا نکتہ :-

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق[1] نہیں لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ :-

(۴) ... علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔"

یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید کی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں رنگ لا رہی تھیں مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذاتِ خود ایک اچھی بات تھی۔ مسلمانوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ نقطہ بھی اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے کہ پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملی تعصب سے پیدا ہوتا اور قومی تصلب و عصبیت کے لیے دینی تعلیم ضروری ہے تو بالواسطہ یہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات اسلامی سے تعلق ہے۔ (ادارہ)

کی یہ ہدایت ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویشناک تھی اور جسے مولانا کی ذاتِ گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جارہی تھی یعنی کوا، ہنس کی چال اختیار کر رہا تھا جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔ فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت و انفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال ہوگا کہ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اکبر الٰہ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز و تند نشتروں سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس دلایا۔ انہیں سمجھایا کہ اپنی اصلیت مت بھولو تمہارا سب سے بڑا خزانہ تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے۔ لیکن "ریفارم" کا چکر اتنا تیز تھا کہ مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا کہ ؎

سیّد اٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسہ نہ ملا

اور یہ کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ جمایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینیوں کا ایسا متوالا بنایا کہ وہ اپنے معاشرے، تہذیب اور مذہب سے دور ہوتے چلے گئے

اور فرنگی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔

مذہب سے بیگانگی برِصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ لیکن جب قائدِاعظم محمد علی جناح نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو، ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہا تو مسلمان پروانہ واران کے گرد جمع ہو گئے۔ اسلامی غیرت وحمیت اس وقت بھی مسلمانانِ ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیمِ ہند کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہُوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی ثقافت و تہذیب ہندوؤں اور انگریزوں سے مختلف ہے۔ مگر بدنصیبی تو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر علیحدہ مملکت تو وجود میں آگئی مگر ترویج دین کی طرف اہلِ اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔ نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔ انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لیے برِصغیر کے مسلمانوں نے کس لیے جدوجہد کی تھی اور بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں۔ لیکن افسوس کہ اس طرف سے توجہ ہٹالی گئی۔ اقتدار کے لیے رسّہ کشی شروع ہو گئی۔ ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ طوفان حوادث نے اسے آگھیرا۔ مذہب سے بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ ہم نے خود کو صوبوں سے خصوصیت دے لی اور یہ بھول گئے کہ ہم اوّل و آخر صرف مسلمان ہیں۔

ہمارے ملک پر جو آفات نازل ہوئیں ان کا بنیادی سبب ہماری، مذہب سے بیگانگی تھا۔ اگر ابتداء ہی سے علمِ دین کی ترویج واشاعت پر زور دیا جاتا تو ہمیں یہ بُرے دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتے۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو، جو مغرب کی

تقلید میں دیوانی ہوتی جارہی ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کردی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پالے۔ بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبال ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

(بہ شکریہ مرکزی مجلس رضا لاہور)

قرآن و سنت اور فقہ کی تعلیم پر کماحقہ توجہ دی جائے جیسے زمانۂ فاروقی میں کماحقہ توجہ دی گئی تھی جس کی تفصیل ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو اسلامی معیشت کے ماہرین پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کے بغیر ملک کی معیشت کی بقاء کا نہیں خود ملک و قوم مسلم کی بقاء کا سوال پیدا ہو سکتا ہے ؎

گر تمی خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

محمد ابوسعید قادری ایم۔ اے اسلامک اسٹڈی

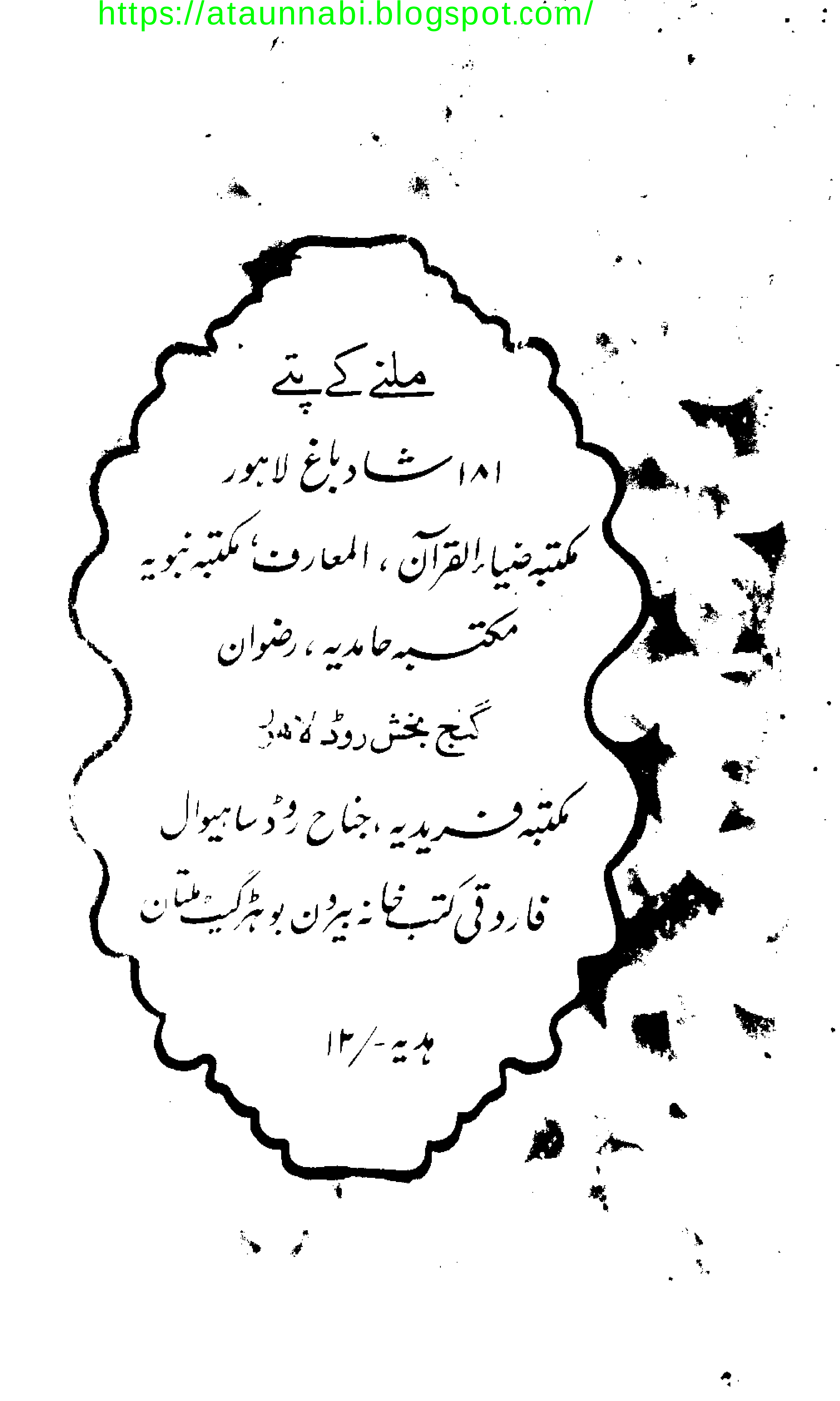
افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

افضل البشر بعد الانبیاء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ - اس موضوع پر لاجواب تحقیق
مفتی محمد ابو سعید غلام سرور قادری کی معرکتہ الآراء تصنیف - عقائد اہل سنت
پر بصیرت افروز کتاب - عقیدہ سے باخبر ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے۔
حضرت امیر معاویہ اور اہل بیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
مناقب - آخر میں یزید کے بارے میں اہل سنت کا محقق و مدلل موقف -
خوبصورت کتابت و طباعت -

تحفۂ مومن

موت کیا ہے اور مسلمانوں کو موت کیسے آتی ہے - مرنے کے بعد مسلمان
کو خدا کے ہاں کیا مقام میسر آتا ہے ؟ رُوح کیا ہے ؟ روح کہاں رہتی
ہے ؟ رُوح کے کمالات کیا ہیں ؟ اسے پڑھ کر موت کی دحشت دُور ہو کر وصال
کا شوق پیدا ہو جاتا ہے - لاجواب اور بے مثل کتاب - تصنیف مفتی
محمد ابو سعید غلام سرور قادری -
خوبصورت کتابت و طباعت -

مکتبہ فریدیہ جناح روڈ - ساہیوال



ملنے کے پتے

۱۸۱ اشاد باغ لاہور

مکتبہ ضیاء القرآن، المعارف، مکتبہ نبویہ

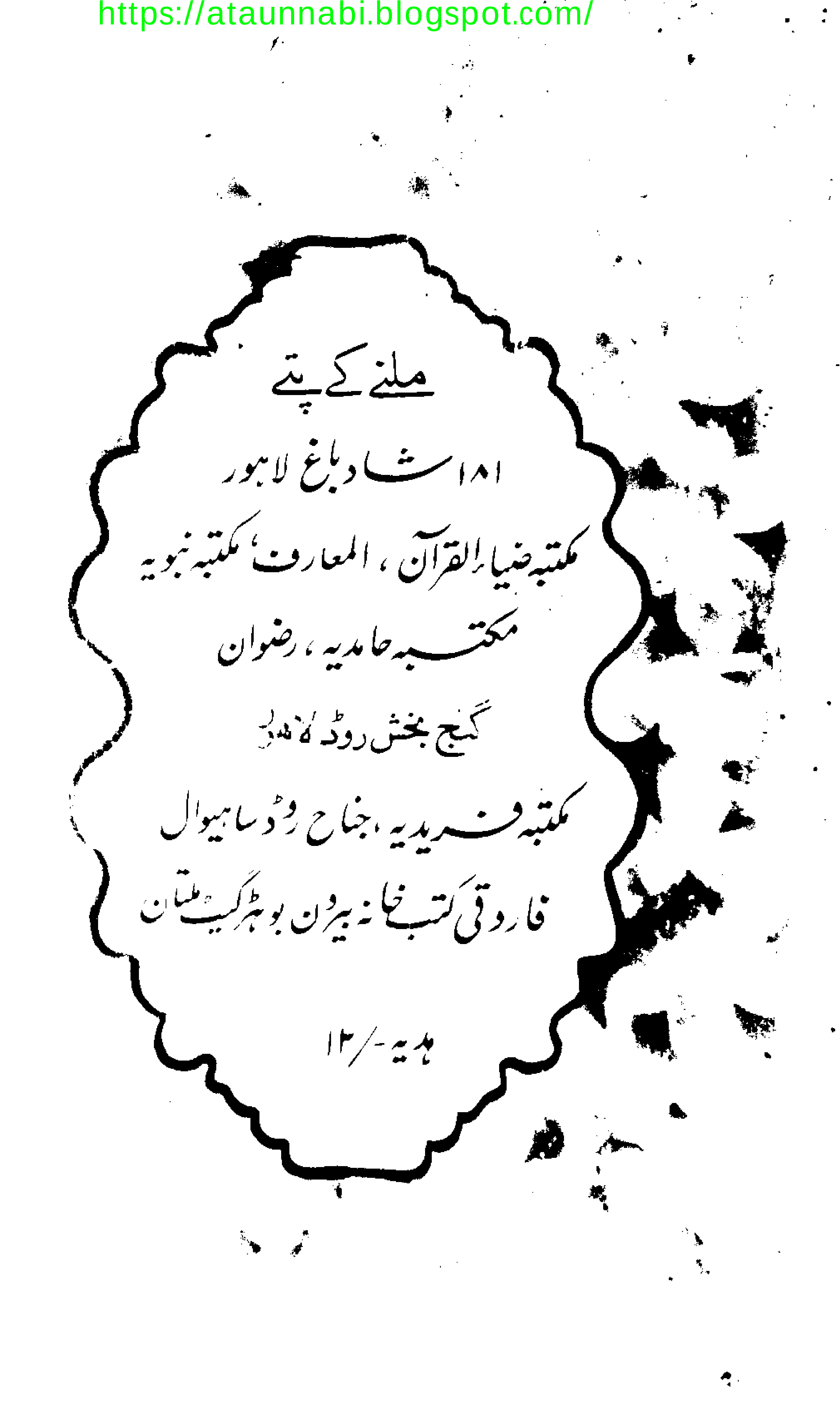
مکتبہ حامدیہ، رضوان

گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ فریدیہ، جناح روڈ ساہیوال

فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ہدیہ -/۱۲



ملنے کے پتے

۱۸۱ اے شاد باغ لاہور

مکتبہ ضیاء القرآن ، المعارف، مکتبہ نبویہ

مکتبہ حامدیہ ، رضوان

گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ فریدیہ ، جناح روڈ ساہیوال

فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ہدیہ -/۱۲


327
صطفے اکیڈمی